جامعہ امام محمد انور شاہ دیوبند کا علمی، دینی، ادبی ترجمان

ماہنامہ

محدّثِ عصر

بانی

فخر المحدثین حضرت مولانا سید انظر شاہ مسعودی کشمیری رحمہ اللہ

مدیر

سید احمد خضر شاہ مسعودی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بیادگار: محدثِ عصر حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ

جامعۃ امام محمد انور شاہ دیوبند کا علمی، دینی، ادبی ترجمان

ماہنامہ

محدثِ عصر

سلسلہ نمبر ۱۹۷	شمارہ ۱۱	جلد نمبر ۲۲	جولائی ۲۰۲۵

بانی: فخر المحدثین حضرت مولانا سید انظر شاہ مسعودی کشمیری رحمہ اللہ

مدیر: سید احمد خضر شاہ مسعودی

نائب مدیر

مولانا سید فضیل احمد ناصری
08881347125

اشتراک وتعاون

اندرونِ ملک:
فی شمارہ -/30 سالانہ -/360
خصوصی -/1000
تاحیات -/6000

بیرونِ ملک:
سالانہ: 20 امریکی ڈالر
خصوصی: 100 امریکی ڈالر
تاحیات: 500 امریکی ڈالر

نگراں ترسیل

مولانا ابوطلحہ اعظمی
09997504588

شائع کردہ: جامعۃ الامام محمد انور شاہ دیوبند

عقب عیدگاہ، دیوبند 247554 (یوپی)
فون آفس: 01336-220471 فون وفیکس (مدیر) 01336-222471-223371
موبائل (مدیر): 08006075484 ای میل: ahmadanzarshah@gmail.com

ورق در ورق

صریر خامہ

عصریات

سید احمد خضر شاہ مسعودی کشمیری

جون 2025 میں چشم فلک نے ایک عجیب ڈرامہ دیکھا۔ ایسا ڈرامہ، جو عرصۂ دراز تک یاد رکھا جائے گا۔ ایران اور اسرائیل کی جنگ۔ وہ بھی لفظی نہیں، بلکہ حقیقی۔ آلات حرب وضرب ایران و اسرائیل کی فضاؤں میں برستے رہے۔ یہودیوں پر گھبراہٹ۔ دہشت کی حکمرانی۔ وہ اپنی جانیں بچانے کے لیے مختلف تدبیریں اپنانے لگے۔ اس دہشت گرد وظالم قوم کو پہلی بار چیختے اور آنسو بہاتے دیکھا گیا۔ اسرائیل کا اقدام خود اس پر بھاری پڑ گیا۔ ایران کو جوہری پروگرام سے روکنے کے لیے اس کی متعدد تنصیبات پر حملے کردیے، حملے کا نام آپریشن شیر برخاستہ رکھا۔ ایران نے بھی اسی شب اسرائیل پر یلغار کردی اور اس جوابی کارروائی کو آپریشن وعدۂ صادق سوم نام زد کیا۔ بیلسٹک میزائلوں اور خودکار ڈرونوں سے صہیونی ریاست کو اندازے سے زیادہ نقصان پہونچایا۔ 9 / ہزار سے زائد یہودیوں کو نقل مکانی پر مجبور کیا۔ 8 / ہزار اسرائیلی بے خانماں ہو گئے۔ فارسیوں نے ظالم کو بتا دیا کہ ظلم کا رقص کیا ہوتا ہے۔

یہ جنگ کئی معنوں میں تاریخی اہمیت اختیار کر گئی۔ کئی واقعات ایسے ہیں جو پہلی بار ایران اور اسرائیل کی جنگ میں مشاہدے میں آئے۔ اسرائیل کے قیام کے بعد سے ان دونوں کے تعلقات بظاہر بہت اچھے نہیں تھے تاہم اندازہ یہی تھا کہ یہ دونوں ریاستیں کبھی بھی مدمقابل نہیں ہوں گی، لیکن دنیا نے دیکھا کہ ایران اور اسرائیل کی جنگ چلی اور چلتی رہی۔ 13 / جون سے 24 / جون تک۔ اسرائیل نے ایران پر حملہ کیا تو ایران نے بھی دمادم اسرائیل کو جواب دیا۔ ایران کے میزائل اور ڈرون طیارے اسرائیل کی فضاؤں میں گرجنے اور برسنے لگے۔ مقبوضہ صہیونی ریاست کے متعدد شہر تباہ ہوئے، جن میں شہر حیفہ کا وہ حشر ہوا کہ دیکھنے والے دیکھتے ہی رہ گئے۔ غزہ کا نمونہ۔ عمارتیں ملبے کے ڈھیر میں بدل گئیں۔ فلک بوس محلات برابر زمین ہو گئے۔ مرنے والوں کی تعداد اگرچہ توقع کے مطابق نہیں تھی، تاہم اموات بھی کافی ہوئیں۔ جنگ چل ہی رہی تھی کہ ادھر امریکہ بھی کود گیا۔ آؤ دیکھا نہ تاؤ، امریکہ نے ایران پر حملہ کردیا۔

ایران نے بھی بدلہ لینے میں ذرا بھی دیر نہیں لگائی اور بحرین، قطر اور کویت میں امریکی فوجی اڈوں پر حملے کر دیے۔ خطرہ شدید تھا کہ یہ جنگ پھیلے گی اور دنیا مزید تباہیوں کا سامنا کرے گی۔ عین اسی موقع پر جنگ بندی کی خبر گردش میں آئی اور ایران اسرائیل کے درمیان 13 / دنوں تک چلنے والی جنگ پر فل اسٹاپ لگ گیا۔

اس لڑائی کی خاص بات یہ تھی کہ مسلم دنیا ایران کے ساتھ نظر آئی۔ سعودی عرب نے توعلی الاعلان اہل فارس کا ساتھ دیا، حتی کہ جو لوگ حج کے سفر پر تھے، سعودی حکام نے انہیں سرکاری مہمان کا درجہ دے کر انہیں خصوصی تحفظ فراہم کیا۔ یہ صورت حال اس لحاظ سے بھی حیرت انگیز تھی کہ مسلم ممالک ابھی تک بزدلی کا مظاہرہ کرتے آرہے تھے۔ قطعا اندازہ نہیں تھا کہ وہ ایران کی حمایت میں کھڑے ہوں گے اور اسرائیل کی پسپائی میں اپنا حصہ ڈالیں گے۔ جیسے تیسے ہی سہی، عالم اسلام نے اتحاد کا نیا چہرہ دکھایا۔ ایران کا پلڑا بھاری رہا۔ جو لوگ یہ سمجھتے تھے کہ اسرائیل نا قابل تسخیر ہے، ان کا شیشۂ تصور چکنا چور ہو گیا۔ ہمیں حق الیقین کے ساتھ عین الیقین بھی حاصل ہو گیا کہ اسرائیل ذلیل تھا، ذلیل ہے اور ذلیل رہے گا۔ قرآنی اعلان کا کرشمہ بین الاقوامی سطح پر سامنے آ گیا۔

❀ .... ❀ .... ❀

امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ گزشتہ دو ماہ کے دوران نئے روپ میں نظر آئے۔ ہندوستان پاکستان جنگ میں انہوں نے صلح کروائی اور ان کی کوششوں سے جنگ بند ہوئی۔ اس نئے انداز میں دنیا کے بعض حلقوں نے نوبل انعام کا مستحق بھی قرار دے دیا۔ اسرائیل ایران جنگ میں حالانکہ امریکہ خود بھی دخل درمعقولات کر بیٹھا تھا، مگر ایرانی مدافعت کے فوراً بعد امریکہ نے جنگ بندی کی پیش کش کر ڈالی۔ اسرائیل کے ہاتھ پاؤں پہلے سے ہی پھول چکے تھے اور جنگ بندی کے لیے پریشان کھڑا تھا۔ ٹرمپ کے اعلان جنگ بندی سے صہیونی درندوں کی جان میں جان آئی۔ امن و آشتی کے حوالے سے ٹرمپ کا یہ کردار واقعی تعجب خیز ہے۔ البتہ ان کے مسخرہ پن نے ان کی شخصیت پر سوالیہ نشان داغ دیا۔ امریکہ کا صدر اور اس کی باتوں میں اس درجہ بے اعتدالی!! کسی بھی صورت نہیں لگا کہ امریکہ کا صدر بول رہا ہے۔ بے وقاری، شہدا پن، ہلکا پن، سنجیدگی سے نفور۔ جو شخص جتنا بڑا ہوتا ہے، اس کے لہجے میں اتنی ہی تمکنت، جماؤ اور ٹھہراؤ ہوتا ہے۔ اس کی زبان سے مسخرہ پن اور اوچھی حرکتیں نا قابل قبول ہیں۔ افسوس کہ ٹرمپ اپنے عظیم منصب کے ساتھ انصاف کرنے سے قاصر رہے۔ یہ اخلاقی گراوٹ خود انہیں بے وقعت کر رہی ہے اور بین الاقوامی برادری میں غلط پیغام جا رہا ہے۔

❀ .... ❀ .... ❀

ایران اور اسرائیل میں جنگ بندی کی بات آئی اور فوراً دونوں کے درمیان لڑائی کا سلسلہ تھم گیا۔ یہ بڑی اچھی اور خوش آئند بات تھی، مگر دکھ اس کا ہے کہ ایران نے جنگ بندی پر دستخط کرنے میں جلدی کر دی۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ ایران فلسطین کو لے کر اڑ جاتا اور کہتا کہ جب تک اسرائیل فلسطین پر دہشت گردانہ کاروائی بند نہیں کرتا ایران بھی جنگ بندی پر آمادہ نہیں ہوگا۔ اسرائیل اس وقت ایسے دباؤ میں تھا اور دنیا میں اس کی ایسی کرکری ہو رہی تھی کہ وہ ہر شرط پر آمادہ ہو سکتا تھا۔ صد حیف کہ ایران نے یہ نادر موقع ضائع کر دیا۔ ایران اور اسرائیل کے درمیان جنگ بندی تو ہو گئی، مگر یہ صہیونی درندے مظلوم فلسطینیوں کے ساتھ اپنی بہیمیت سے باز نہیں آئے، بلکہ اس کے بعد انہوں نے اس پر بمباریاں تیز کر دیں۔ سینکڑوں لوگ پھر لقمۂ اجل بن گئے۔ فلسطین عصر رواں کا کربلا بن چکا۔ دانے دانے کو محتاج۔ دو قطرے پانی کے لیے ایڑیاں رگڑنے پر مجبور۔ دواؤں کے فقدان سے ان کا سر وبال دوش۔ وہ کراہ رہا ہے۔ قبلۂ اول کے لاکھوں محافظین کھلے آسمان کے نیچے زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ کوئی سہولت نہیں۔ زخم خوردہ۔ غم دیدہ۔ اقارب گم کردہ۔ 50 سے زیادہ مسلم ممالک موجود ہیں اور مسجد اقصی کی حفاظت کرنے والوں کے لیے کسی بھی جانب سے کوئی آواز نہیں۔ بے غیرتی، مردہ ضمیری اور خساست نے ان کے داغ دار چہرے کو مزید مکروہ کر دیا۔ دو سال کا عرصہ ہونے کو ہے، خون کی ندیاں مسلسل بہہ رہی ہیں۔ دجلہ وفرات اور بحر قلزم اس کے سامنے بے مائیگی کا اظہار کرنے لگے۔ فلسطین صلاح الدین ایوبی کے انتظار میں ہے۔ دیکھیے وہ گھڑی کب آتی ہے اور ان کی اشک شوئی کا سامان کیسے بہم پہونچتا ہے۔

❁ .... ❁ .... ❁

اودے پور فائلز فلم، جس کے چرچے زوروں پر تھے، عدالتی فیصلے کی شکار ہو چکی ہے۔ گویا ایک اچھی خبر۔ 28 / جون 2022 کو راجستھان کے اودے پور میں کنہیا لال نامی ایک درزی کو انتہا پسندوں نے قتل کر دیا تھا، جس کے بعد مسلمانوں کے خلاف ایک مہم سی چل پڑی تھی۔ اودے پور فائلز فلم اسی پس منظر میں بنائی گئی ہے۔ گزشتہ کئی ہفتوں سے یہ مووی زیر بحث تھی اور ہر مسلمان تشویش سے معمور ومحزون۔ 11 / جولائی 2025 کو اسے سینما گھروں میں پیش ہونا تھا، مگر ملی تنظیموں کی درخواست کے بعد دہلی ہائی کورٹ نے اس کی نمائش پر روک لگا دی۔ عدالت نے نظر ثانی درخواست کے لئے دو دن کی مہلت دی ہے اور مرکزی حکومت کو ہدایت کی ہے کہ وہ سنیماٹوگراف ایکٹ کی دفعہ 6 / کے تحت سات دن کے اندر فیصلہ سنائے۔ اس وقت تک فلم اودے پور فائلز کی ریلیز معطل رہے گی۔ عدالت کے اس فیصلے کے بعد مسلمانوں نے کچھ وقت کے لیے ہی سہی، راحت کی سانس لی ہے۔ اس فلم میں علما اور مدارس کو دہشت گردی کا اڈہ بتایا

گیا ہے۔ وارثین انبیا کا خوب خاکہ اڑایا ہے۔ اس سے پہلے دی کشمیر فائلز کے ذریعے بھی اہل اسلام کی دل آزاری کی جا چکی تھی۔ ملکی فضا پہلے ہی زہر آلود بنی ہوئی ہے۔ نفرتیں عروج پر ہیں۔ ہجومی تشدد کے واقعات سے خوف و ہراس کا غلبہ ہے۔ سیاہ نصیبوں نے خالق کائنات پر بھی سب وشتم کیا۔ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی دل خراش تبصرے کیے۔ مسلمان صبر کرتے گئے۔ امن دشمن حلقے دریدہ دہنی کرتے گئے۔ وہی انسانیت مخالف طبقہ اب مدارس واہل علم کی شبیہ خراب کرنے پر تلا ہے۔ ہائی کورٹ نے نمائش پر صرف اسٹے ہی لگایا ہے۔ اسے ان تمام عناصر کے خلاف ایکشن بھی لینا چاہیے، جن کے دل نفرت انگیز پروپیگنڈے سے ہی تسکین پاتے ہیں۔ اس کے بغیر نفرت کے سوداگروں کو نکیل ڈالنا مشکل ہے۔

❀ .... ❀ .... ❀

آئندہ چند ماہ میں بہار میں الیکشن ہے۔ پھر وہی تیور، وہی الزام واتہام۔ سیاسی پارٹیاں صف بندی میں مصروف ہیں۔ جوڑ توڑ اور جمع تفریق مسلسل جاری۔ سیاسی بساط کو بہ نظر غائر دیکھا جا رہا ہے۔ مؤثر اور نتیجہ خیز چال کے لیے دماغ لڑایا جا رہا ہے۔ انڈیا اتحاد مذاکرات میں مگن۔ مجلس اتحاد المسلمین پھر تنہا رہ گئی۔ ادھر نتیش کمار کی گرتی ساکھ سے عوام فائدہ اٹھانے کی سوچ رہے ہیں۔ نتیش کمار کی بھاجپا نوازی نے انہیں بے وزن کر دیا، بلکہ بے آبرو۔ بقول شاعر:

پھرتے ہیں میر خوار، کوئی پوچھتا نہیں

اہل بہار اپنے وزیر اعلیٰ سے سیاسی انتقام لینے کے موڈ میں ہی تھے کہ اتنے میں ایک مدہش خبر نے ان کی نیند ہی اڑا دی۔ الیکشن کمیشن نے غیر متوقع طور پر ووٹر ویریفکیشن کا اعلان کر دیا اور اس کے لیے صرف ایک ماہ کا وقت۔ 26/ جون سے 26/ جولائی تک اسے بہر حال ہونا ہے۔ آٹھ ہزار ووٹروں کے ویریفکیشن کے لیے فقط ایک ماہ! بھلا یہ ممکن ہے؟ پھر ایسی شرطیں کہ رائے دہندگان پریشان۔ لوگ کاغذات جمع کرنے میں مصروف ہو گئے۔ بے تحاشا بھاگم دوڑ۔ ویریفکیشن فارم بھر کر بی ایل او کے پاس جمع کرنا ہے۔ این آر سی کی افواہ گردش کرنے لگی۔ ایسے ایسے کاغذات کی فرمائش کہ ان کی فراہمی ہتھیلی پر سرسوں اگانے جیسی۔ افراتفری مچ گئی۔ سیاسی حلقوں نے آوازیں بلند کیں۔ احتجاج کی دھمکی بھی فضا میں اچھالی گئی، مگر الیکشن کمیشن اپنی ضد میں۔ اندیشہ ہے کہ بہت سے رائے دہندگان ووٹ دینے سے محروم ہو جائیں گے۔ اگر نیت یہی ہے تو یہ جمہوریت کے خلاف ہے۔ اگر ارادے نیک ہیں تو اتنی قیودات اور شرائط کیوں کر؟ شفاف انتخابات کے لیے اقدامات کیے جائیں اور کسی بھی ووٹر کو فہرست سے خارج نہ کیا جائے۔

......◆......

آخری قسط

حصول علم کے آداب

فخر المحدثین حضرت مولانا سید محمد انظر شاہ کشمیری قدس سرہٗ

جامعہ فاروقیہ کراچی میں دہائیوں قبل فخر المحدثین حضرت مولانا سید محمد انظر شاہ کشمیریؒ کو ایک تقریب کے لئے مدعو کیا گیا۔ اس موقع پر شاہ صاحبؒ نے حسبِ عادت یہ گراں قدر تقریر فرمائی جو اپنی علمیت اور معلومات سے بھرپور ہونے کی وجہ سے بے حد پسند کی گئی۔ یہ نایاب تقریر کیسٹ سے سن کر قلم بند کی گئی، جو پہلی بار آپ کی ضیافت کے لئے پیش خدمت ہے۔ یہ اس تقریر کی آخری کڑی ہے۔ (ادارہ)

استاد کے متعلقین کا بھی احترام ہو

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد حضرت کی اہلیہ محترمہ کو امروہے میں حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے دو شاگردوں نے دعوت دی، تشریف لے گئیں، ان میں سے ایک شیخ التفسیر حضرت مولانا عبدالرحمن امروہی تھے، جن کا امتیاز یہ تھا کہ علامہ کشمیری علیہ الرحمہ نے ان سے تفسیر کے اندر سند لی تھی، جب امروہے کے اسٹیشن پر ریل کے ڈبے سے پالکی لگا دی گئی اور حضرت کی اہلیہ پالکی میں بیٹھ گئیں، پالکی کے اٹھانے کے لئے کمہار لوگ آگے بڑھے ہیں، تو دونوں شاگردوں نے کہا کہ ہمارے استاد کی اہلیہ اور کمہار لوگ اٹھائیں گے، ایک جانب مولانا عبدالرحمن صاحب لگے اور دوسری جانب حضرت کے دوسرے شاگرد، اور بازار سے اس شان سے گزرے ہیں کہ تمام امروہہ انہیں جانتا تھا اور پہچانتا تھا، معلوم ہوا کہ فقط استاد کا احترام نہیں، بلکہ استاد کے متعلقین کا بھی احترام ہو، استاد کے اقرباء کا بھی احترام ہو، استاد کے اعزہ کا بھی احترام ہو۔

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ اور استاد کا ادب

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے والد ماجد شیخ اسد، زمین دار تھے، آخر مرض میں دیوبند آگئے اور

بیماری دستوں کی تھی، دست بے پناہ آرہے تھے، لحاف بھی خراب، گدّا بھی خراب، چادر بھی خراب، حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ اپنے ہاتھوں سے صاف کرتے تھے، حالاں کہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ دیوبند کے معزز شیوخ میں سے تھے اوران کا خاندان دیوبند کے ممتاز ترین خاندانوں میں سے تھا۔

تو بھائی! اساتذہ کی جتنی بھی آپ سے خدمت ہو، جتنا بھی آپ احترام کرسکیں اوراحترام زبان سے نہیں، ظاہر سے نہیں، بلکہ قلوب میں ان کا احترام ہو، اتنا ہی آپ اپنے علم کو منور پائیں گے، اپنے علم کو مرصَّع پائیں گے۔

والدین اوراستاد کو ستانے والے کو دنیا میں بھی بیشتر وہی سزا ضرور ملتی ہے

جس اولاد نے اپنے ماں باپ کو ستایا، یادرکھنا کہ اس کی اولاد اسے بخشے گی نہیں، حضرت شیخ الحدیث مولانا فخر الدین علیہ الرحمہ مرادآبادی، جو بعد میں دارالعلوم دیوبند میں شیخ الحدیث ہوئے ہیں، فرماتے تھے کہ یہ واقعہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ مرادآباد میں ایک نوجوان اپنے بوڑھے باپ کو گھر میں سے مارتے ہوئے لایا، باپ پٹ رہا ہے اور کچھ نہیں بولتا، ایک لفظ بھی، مجمع پورا کا پورا ساتھ لگا ہوا ہے، مگر مجمع یہ سوچ رہا ہے کہ بھائی! جب یہ بڈھا ہی نہیں بولتا، تو ہم کیوں مداخلت کریں! مگر سارے کے سارے مجمع کو بڑی تکلیف اور کلفت کہ کم بخت باپ کو ماررہا ہے، اچانک گلی کا نکڑ آگیا، تو اب بڈھا بولا، بس بیٹے! بہت ہوگئی اب چھوڑ دے، تو مجمع، جو تنگ آچکا تھا اور بڑا غصے میں بپھرا ہوا، وہ بڈھے پر بگڑا کہ کم بخت! اس کے ہاتھ سے مرجا، اتنی دیر سے تو پٹ رہا ہے، نہ تیری زبان کے اوپر آہ، نہ تیری زبان کے اوپر کوئی بکا، اب کہہ رہا ہے کہ بس بیٹے، تو بڈھا بولا کہ نہیں، یہ بات نہیں، تو پھر کیا بات ہے؟ کہا بات یہ ہے کہ میں اپنے باپ کو گھر سے مارتے ہوئے لایا تھا اوراسی نکڑ تک لایا تھا، مجھے یقین تھا کہ میرا بیٹا مجھے مارے گا اور یہیں تک مارے گا۔

دوسری بات۔ جو معاملہ تم اپنے اساتذہ کے ساتھ کروگے یقین رکھو کہ تمہارے شاگرد وہی معاملہ تمہارے ساتھ کریں گے۔

میرے ساتھی تھے اعظم گڑھ کے، یک چشم، معقولات کے اندر بڑے فاضل، بڑے قابل، دارالعلوم دیوبند کے ایک استاذ کے یہاں ان کا درس ہورہا تھا، تو وہ ان استاد کو اپنی نظر میں نہیں لاتے تھے، یہ اشکال، یہ اشکال، یہ اشکال اوراشکال کا مقصد کتاب کو سمجھنا نہیں، بلکہ استاد کی توہین واہانت، چلے گئے، فارغ ہوگئے، دارالعلوم میں دورۂ حدیث میں نمبراول آئے، تقریباً گیارہ، بارہ سال کے بعد آئے، اتفاقاً

میں موجود تھا، ان استاد کے سامنے ہاتھ جوڑے ہوئے بیٹھے تھے کہ حضرت! جو معاملہ میں نے آپ کے ساتھ کیا تھا، بعینہ میرے شاگرد میرے ساتھ وہ معاملہ کررہے ہیں۔

اور ایک تجربے کی بات میں تمہیں خود سنادوں، ہمارے استاد اللہ تعالیٰ غریق رحمت فرمائے، حضرت مولانا معراج الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ، جو بعد میں دار العلوم کے صدر مدرس بن گئے، حضرت کے یہاں ہماری قطبی تھی، اب اول تو یہ منطق کا معاملہ ہی عجیب وغریب، خوش قسمتی ہے کہ کوئی سمجھے اور سمجھا دے، پھر دوسرے حضرت کی تقریر بڑی فاضلانہ، بڑی عالمانہ، ہمارے بس میں نہ آئے تو سولہ سترہ طلبہ نے ایک درخواست تعلیمات میں دے دی کہ ہماری کتاب بدل دی جائے، بدقسمتی سے میں نے بھی دستخط کردیے۔

شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ناظم تعلیمات تھے، جب درخواست حضرت کے سامنے گئی، مجھے بلوالیا، میں پہونچا، حضرت کا تو معاملہ بڑا عجیب وغریب تھا، خداداد رعب، حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے لائیے، لائیے، اپنا چشمہ مجھے دے دیجیے، میں اسے لگادوں طلبہ میرے سر پر چڑھتے ہیں اور آپ کو دیکھ کر کانپتے ہیں۔

حضرت نے بلالیا، میں جا کے بہت مؤدب ہو کر بیٹھ گیا، فرمانے لگے کہ مولوی صاحب، مولوی صاحب! آپ بھی سیاسی ہوگئے، مولوی صاحب مولوی صاحب! آپ بھی سیاسی ہوگئے، مولوی صاحب، مولوی صاحب! آپ بھی سیاسی ہوگئے، جیسا کہ عادت مبارکہ تھی کہ ایک جملے کو بار بار فرماتے تھے، وہ مشہور مقولہ ہے کہ ایک چُپ سو کو ہرائے۔

میں چپ گردن جھکا کر بیٹھ گیا، کوئی جواب ہی نہیں دیا، جب حضرت تھک گئے، تو خود فرمانے لگے کہ میرا یہ خیال تو نہیں ہے کہ مولانا معراج الحق صاحب قطبی نہ پڑھا سکیں، لیکن آپ حضرات کی میں کتاب کاٹ دیتا ہوں، سب کی نہیں کاٹوں گا، جتنوں نے اس پر دستخط کیے ہیں، ان کی کاٹ دیتا ہوں، کتاب کاٹ دی اور حضرت مولانا خلیل صاحب کیرانوی کے ہاں قطبی چلی گئی، بھائی میں نے پڑھا لکھا کچھ نہیں، میں پہلے جاہل تھا، اب ابوجہل ہوں۔

کتابیں چھوڑ چھوڑ کے جلدی سے، اس لیے کہ میں انگریزی میں لگ گیا تھا اور یونی ورسٹی سے امتحانات دے رہا تھا، کل چار سال کے اندر میں نے عربی پڑھی، لیکن آپ کی جوتیوں کا فیض کہ تدریس میں مجھے کبھی پریشانی پیش نہیں آئی، میں نے بیضاوی بھی پڑھائی، ہدایہ آخرین بھی پڑھائی، ملا حسن بھی پڑھایا اور ملا حسن کے اندر یہ تھا کہ حضرت مولانا فخر الدین علیہ الرحمہ سبق میں آ کے بیٹھتے تھے اور سنتے تھے، کبھی پریشانی پیش نہیں آئی۔

لیکن جب قطبی مجھے پڑھانے کے لیے ملی، مطالعہ کروں اور کچھ سمجھ میں نہ آئے، مطالعہ کروں اور کچھ سمجھ میں نہ آئے، تقریباً پندرہ سولہ دن ہو گئے اور اس سال قطبی کے اندر بڑے تیز قسم کے طالب علم تھے، ایک عبدالواحد بلوچستانی، ایک عزت اللہ بلوچستانی، ایک اشرف بلوچستانی، جنہوں نے اب بلوچستان کے اندر مدرسے قائم کر رکھے ہیں، یہ سب اس سال طالب علم تھے۔

سولہ سترہ دن کے بعد مجھے ہوش آ گیا کہ یہ معاملہ کیا ہے؟ سردی کا زمانہ تھا، حضرت مولانا معراج صاحب رحمۃ اللہ علیہ دوپہر کو اپنے کمرے کے سامنے بیٹھے ہوئے کھانا کھا رہے تھے اور ان کے پاس رشید الوحیدی بیٹھے ہوئے تھے کسی کام سے، بس میں گیا اور میں نے ادب سے پیر پکڑ لیے، وہ گھبرا گئے، کہنے لگے کیا بات ہے؟ کیا بات ہے؟ میں نے پورا واقعہ سنا کر عرض کیا کہ آپ کو تو یاد بھی نہیں ہو گا، لیکن اس کی نحوست اور بے برکتی میں بھگت رہا ہوں، حضرت نے معاف فرمایا، آپ یقین کیجیے کہ جیسے ہی حضرت نے معاف فرمایا، اس کے ساتھ ہی جیسے کسی نے بند گرہ کھول دی، یہ ہے اساتذہ کا معاملہ۔

درس گاہ کا احترام

بھائی! اس کے بعد پھر درس گاہ کا احترام۔ یہ مسجد کا کیوں احترام کرتے ہو؟ یہ خانۂ کعبہ کا کیوں احترام کرتے ہو؟ یہ مسجد نبوی کا کیوں احترام کرتے ہو؟ نسبتیں ہیں، جو آپ کو احترام کی دعوت دیتی ہیں، آپ کو احترام پر مجبور کرتی ہیں، جب یہ بات آپ کی سمجھ میں آ گئی، یہ درس گاہیں، علم کی درس گاہیں ہیں، یہ دین کی درس گاہیں ہیں، یہاں فیضان علم ہوتا ہے، یہاں پر انسان بنایا جاتا ہے، یہاں قول خدا کے رمز سمجھائے جاتے ہیں، یہاں قول رسول کے اسرار پر اطلاع دی جاتی ہے، ان درسگاہوں کا احترام، موجودہ وقت کے اسٹرائیک، ہنگامے، درس گاہوں کے اندر شور وغل، درس گاہوں کی بے حرمتی علوم اور تحصیل علم میں بے برکتی کا موجب ہوتا ہے۔

زمانۂ طالب علمی میں حصول علم کے علاوہ کوئی اور مشغلہ اختیار نہیں کرنا چاہیے

ایک پانچویں بات، خبر نہیں کہ حضرت اجازت دیں گے یا نہیں؟ لیکن تجربے کے طور پر طالب علمی کے دور میں کسی اور چیز کی طرف توجہ نہ ہو، ذرہ سا بھی آپ کوئی دوسرا مشغلہ اختیار کریں گے، بس علم کا حصول اتنا ہی مشکل ہو جائے گا، بس ایک دروازہ پکڑ لو۔

یہ نہیں کہ انگریزی بھی پڑھ لوں، سائنس بھی پڑھ لوں، معاشیات بھی پڑھ لوں اور فلاں بھی اور فلاں

بھی اور حصہ سیاست میں بھی لے لوں، اور وقت کی تحریکات میں بھی حصہ لے لوں، یہ علم کو کھا جانے والی چیزیں ہیں، شیطان متعدد طریقے استعمال کرتا ہے، حضرت مولانا یعقوب صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ، ہمارے دارالعلوم دیوبند کے اول صدر مدرس ہیں، حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے دورہ حدیث انہیں سے پڑھا، بہت جلالی تھے، جوتا چلاتے تھے طلبا پر اور اپنے جوتے کا نام رکھا تھا۔تنبیہ الغافلین۔

ایک عجیب وغریب واقعہ

حضرت تھانویؒ نے ایک عجیب واقعہ لکھا کہ ایک طالب علم پٹھان، اس کی شادی ہوگئی، اب اس پٹھان نے اپنی بیوی کی دے مار پٹائی، دے مار پٹائی، گھر والوں کو شکایت ہوئی، انہوں نے حضرت سے آ کر کہا، اس طالب علم کو کہیں سے پتہ چل گیا کہ حضرت کو شکایت ہوگئی، وہ غائب ہوگیا، کئی دن کے بعد آ گیا، حضرت تھانوی علیہ الرحمہ نے لکھا کہ وہ ہمارے دورۂ حدیث کا سال تھا کہ وہ طالب علم آیا اور حضرت مولانا یعقوب نانوتوی نے جوتا اٹھا کر دمادم دمادم دمادم......حضرت نے بٹھا کر غالباً تین جوتے توڑے اور اس کے بعد فرمایا کہ طلاق دو اپنی بیوی کو، اس نے بلا تامل طلاق دے دی، بلا تامل اور بلا تاخیر۔

اب سنو، حضرت اقدس نے لکھا کہ بعد میں جب میں اپنی خواب گاہ میں تھا، اچانک ایک صاحب داخل ہوئے، بشکل حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی، حضرت تھانوی نے لکھا کہ مجھے یہ خیال ہوا کہ حضرت کی روح متجسد ہوکر آ گئی، متشکل ہوکر، اس کے بعد ملاقات ہوئی، تعارف ہوا تو وہی طالب علم نکلا، ہمارا ساتھی، میں نے اسے کہا کہ وہ جوتو پٹا تھا، حضرت مولانا یعقوب صاحب سے اور تونے اس کے اوپر نہ آہ کی نہ چیخ نکالی تھی اور پوری سعادت کا مظاہرہ کیا تھا، اس نے تجھے شکلاً بھی حضرت سے اُشبہ کر دیا، باطنی اعتبار سے نہیں، بلکہ ظاہر کے اعتبار سے بھی حضرت سے اُشبہ کر دیا۔

خدا تعالیٰ آپ حضرات کے علوم میں برکت عطا فرمائے، آپ کے اساتذہ کو آپ کی زیادہ سے زیادہ خدمت کرنے کی سعادت عطا فرمائے، ان کی شفقتوں میں اضافہ، آپ کی درس گاہ کا نام اونچا ہو، ممتاز درس گاہوں میں اس کا شمار، بلکہ ممتاز درس گاہوں کی یہ امام ہو، جو مدرسے کے مؤسس ہیں اور بانی ہیں (حضرت شیخ المشائخ مولانا سلیم اللہ خان صاحب نور اللہ مرقدہ رضی اللہ عنہن) اللہ ان کی عمر میں اضافہ فرمائے اور ان کے کام کو قبول فرمالے اور معاونین کو احسن الجزاء عطا فرمائے۔

......✦......

قسط (۸)

امام العصر حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ

اور علوم وفنون میں آپ کی جامعیت

ابوطہٰ محمد صغیر پرتاپ گڑھی

استاذ حدیث جامعہ امام محمد انور شاہ دیوبند

علم اصول وعقائد اور مسائل کلامیہ

آپ کے شاگرد رشید حضرت مولانا مفتی عتیق صاحب عثمانی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

’’علم اصول وعقائد اور مسائل کلامیہ میں بھی آپ کا تجربہ بے مثال تھا‘‘۔ (تصویر انور، ص: ۴۲)

حضرت مولانا احمد رضا صاحب بجنوری لکھتے ہیں:

’’حضرت شاہ صاحب نے دربارۂ مسائل اعتقادیہ اپنے رسائل **اکفار الملحدین** ، **عقیدۃ الاسلام فی حیاۃ عیسی علیہ السلام** اور **التصریح بما تواتر فی نزول المسیح** میں جمہور سلف و خلف کے عقائد کی تائید میں مفصل دلائل تحریر فرمائے ہیں۔ صحیح بخاری کتاب التوحید اور ابوداؤد کتاب السنۃ کے ذیل میں ذات وصفات باری عزاسمہ پر کافی وشافی بحثیں فرمائی ہیں۔ آپ نے مشکلات القرآن، ص: ۱۴۹ر میں محدث ابن خزیمہ کی کلامی خامیوں اور غلطیوں کی طرف بھی اشارات کئے ہیں، جن کے اتباع میں علامہ ابن تیمیہ اور ابن قیم وغیرہ نے باب عقائد میں متعدد فاحش غلطیاں کی ہیں۔ اشاعرہ، شیخ اکبر اور دوسرے اکابر صوفیہ کے بارے میں علامہ ذھبی اور ابن تیمیہ وغیرہ سے جو افراط وتفریط عمل میں آئی ہیں، اس پر نکیر فرمایا کرتے تھے۔‘‘ (ایضاً، ص: ۹۴)

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب لکھتے ہیں:

’’ایک بار استواء علی العرش کے مسئلہ پر کلام فرماتے ہوئے حافظ ابن تیمیہ اور ان کے مسلک اور دلائل کا تذکرہ آیا تو اسے شرح بسط سے بیان فرمایا۔ پھر فرمایا کہ حافظ ابن تیمیہ جبال علوم میں سے ہیں، ان کی رفعت شان اور جلالت قدر کا عالم یہ ہے کہ اگر میں ان کی عظمت کو سر اٹھا کر دیکھنے لگوں تو ٹوپی پیچھے کی

طرف گر جائے گی اور پھر بھی نہ دیکھ سکوں گا، لیکن بایں ہمہ مسئلہ استواء علی العرش میں اگر وہ یہاں (درس میں) آنے کا ارادہ کریں تو درس گاہ میں گھسنے نہیں دوں گا۔ (ایضاً، ص: ۳۸۰)

مذکورہ باب میں بھی آپ کے تبحر اور گیرائی و گہرائی کو آپ کی ان مایہ ناز تصانیف میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے: اکفار الملحدین فی ضروریات الدین۔

اس کتاب کی بابت مولانا منظور نعمانی فرماتے ہیں:

''کفر و اسلام کے حدود کی ایسی تنقیح غالباً اس سے پہلے نہیں ہوئی''۔ (ایضاً، ص: ۳۳۰)

عقیدۃ الاسلام فی حیاۃ عیسی علیہ السلام، خاتم النبیین، ازالۃ الرین فی الذب عن قرۃ العینین، سہم الغیب فی کبد اہل الریب، انوار الباری کتاب التوحید۔

فقہ و اصول فقہ

فقہ و اصول فقہ میں اللہ رب العزت نے آپ کو جو امتیاز عطا فرمایا تھا اور جو شان فقاہت دی تھی، آپ کا یہ ارشاد اس بات کو سمجھنے کے لئے کافی ہے:

''امام اعظم کے علوم کو امام محمد نے مدون کر کے پھیلایا تھا، امام طحاوی نے ان علوم کو مدلل اور مبرھن کیا اور میں نے ان دلائل و براہین کے لیے شواہد و مؤیدات جمع کرنے میں اپنے عزیز اوقات صرف کئے ہیں اور اتنا ذخیرہ جمع کر دیا ہے کہ آج تک کسی نے نہیں کیا تھا۔ تین بکس میری یادداشتوں کے اسی پر ہیں۔'' (تصویر انور، ص: ۴۲)

محدث کبیر و محقق عظیم شیخ عبد الفتاح ابو غدہ آپ کے بارے میں لکھتے ہیں:

''آپ نے مذہب حنفی کو بھر پور انداز میں مدلل کیا ہے، مذہب حنفی کی بنیاد کو مضبوط بنایا اور اسی طرح بہت سے قواعد کلیہ اور ضوابط عامہ کو محقق و مدلل کیا، کتنے غامض اور دقیق مسائل تھے، جہاں تک آپ کی سوچ و فکر پہنچ گئی اور کتنے ہی وقتی اور فوری مسائل تھے، جو آپ ہی کی دقت نظر اور زبان مبارک کا فیضان ہے۔'' (تراجم ستۃ من فقہاء العالم الاسلامی، ص: ۶۴، ملخصاً)

آپ فرماتے تھے: حنفیہ کی اکثر جزئیات احادیث کے ماتحت نکلیں گی، بخلاف دیگر مذاہب کے کہ ان کے یہاں تخصیصات زیادہ ہیں، پس حنفیہ کا مذہب زیادہ اسفر و روشن ہے۔ (ملفوظات محدث کشمیری، ص: ۲۵۹)

فخر المحدثین حضرت مولانا انظر شاہ کشمیریؒ لکھتے ہیں:

''ہر مسئلہ آپ کے نزدیک طے شدہ تھا، اختلاف اقوال کی وجہ سے تذبذب اور تردد نہیں، بلکہ راجح

اور مرجوح متعین رہتا۔ فہم کا یہ حال تھا کہ ہر مسئلہ کی اصل اور اس کا سرا معلوم تھا، اصل کلی کے بتلا دینے کے بعد یہ بھی بتلا دیتے تھے کہ فلاں فلاں مسئلہ اس اصل پر متفرع ہے اور ان مختلف فیہ مسائل میں ما بہ الاشتراک اور ما بہ الاختلاف یہ ہے۔ (تصویر انور، ص:۱۰۶)

حضرت مولانا منظور نعمانی لکھتے ہیں:

''فقہ میں آپ کا ایک خاص اصول تھا۔ اکثر مسائل فقہ میں کئی کئی اقوال ہیں اور مرجحین اور اصحاب فتوی مختلف وجوہ واسباب کی بنا پر ان میں سے کسی ایک قول کو اختیار کرتے اور ترجیح دیتے ہیں، لیکن میں اسی قول کو زیادہ وزن اور قابل ترجیح سمجھتا ہوں جو از روئے دلائل زیادہ قوی ہو، یا جس کو اختیار کرنے میں دوسرے ائمہ مجتہدین کا اتفاق زیادہ حاصل ہو جاتا ہو۔ (ایضاً، ص: ۳۱۳)

اسی بات کو علامہ یوسف بنوریؒ ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں:

''اذا تکون فی مسئلة روایتان عن الامام ابی حنیفة رحمه الله او قولان من المشایخ الحنفیة، کان یختار منهما ما یوافق الحدیث الصریح الصحیح من غیر تکلف و تأول، و ربما کان هو من النوادر، فان لم یکن فی الباب حدیث صریح، او کان الامر دائراً فی البین یرجح ما یوافق مذهباً آخر من المذاهب الأربعة، و لعله کان المقدم حینئذ مذهب الشافعی ثم مالک رحمهما الله فیما أری و الله اعلم۔ فان لم یکن لذالک مساغ کان یجتهد و یسعی فی تقریب المذهب الیه لیرتفع امر الخلاف راساً، او یهون امره و یخفف وقره، وهذا خلاف صنیع اکثر علماء العهد الغابر و العصر الحاضر۔ (نفحۃ العنبر فی حیاۃ امام العصر الشیخ انور:۵۱)

(جب کسی مسئلہ میں امام ابوحنیفہؒ سے دو روایتیں ہوتیں، یا مشائخ حنفیہ سے دو قول مروی ہوتے، تو آپ ان میں سے بغیر کسی تکلف و تاویل کے وہ قول اختیار کرتے، جو صحیح صریح حدیث کے موافق ہوتا۔ کبھی یہ قول نوادر میں سے بھی ہوتا تھا، اگر اس باب میں کوئی صریح حدیث نہ ہوتی یا معاملہ بین بین ہوتا، تو مذاہب اربعہ میں کسی دوسرے مذہب کے موافق ترجیح قائم کر لیتے۔ شاید کہ اس وقت سب سے مقدم امام شافعی کا مذہب، پھر امام مالکؒ کا مذہب ہوتا، میری رائے کے مطابق اللہ بہتر جانتا ہے، اگر اس کی بھی گنجائش نہ ہوتی تو پھر وہ خود اجتہاد کرتے اور مذہب کو قریب کرنے کی کوشش کرتے، تاکہ اختلاف سرے سے ہی رفع ہو جائے، یا اختلاف کا مسئلہ ہلکا یا خفیف ہو جائے۔ یہ اسلوب ماضی وحال کے اکثر علماء کے صنیع کے خلاف ہے۔)

اس کی ایک مثال یہ ہے: **قوله تعالی: '' فلا یقربوا المسجد الحرام ''الآیة۔ اختلف الأئمة فی دخول الکافر المسجد علی ثلاثة اقوال: اجازه الامام الشافعی فی غیر مسجد الحرام، و**

منعہ مالک فی المسجد الحرام و غیرہ سواء بسواء، و جوزہ الحنفیۃ فیہ و بالأولیٰ فی غیرہ اعتباراً بالتعلیل، و اذ لیس فلیس۔ فقال الشیخ رحمہ اللہ تعالی: قال محمد رحمہ اللہ فی " السیر الکبیر": لا یجوز دخول المشرک فی المسجد الحرام، فلیستمسک ھھنا بقول محمد رحمہ اللہ، فانہ الصق بالقرآن، و اقرب الی مذہب مالک و اوفق مذہب الشافعی"۔ (ایضاً، ص:۵۹)

ارشاد باری تعالی ہے: "پس وہ مسجد حرام کے قریب نہ آئیں" کافر کے مسجد میں دخول کے معاملہ میں ائمہ کرام میں اختلاف ہے اور تین اقوال ہیں: امام شافعیؒ نے اس کی اجازت دی ہے، سوائے مسجد حرام کے، امام مالکؒ نے مسجد حرام اور دیگر مساجد میں داخلے سے منع کیا ہے اور احناف نے مسجد حرام میں داخلہ جائز قرار دیا ہے اور دیگر مساجد میں تو بطریق اولی اجازت ہے علت کا اعتبار کرتے ہوئے۔ جب یہ علت نہیں تو ممانعت بھی نہیں۔

پس شیخ کہتے ہیں: امام محمد السیر الکبیر میں کہتے ہیں:

"مسجد حرام میں مشرک کا داخل ہونا جائز نہیں"۔

چنانچہ اس مسئلہ میں امام محمدؒ کے قول سے تمسک کیا ہے، کیونکہ یہ قرآن کریم کے زیادہ قریب اور امام مالک وامام شافعیؒ کے مذہب کے زیادہ موافق ہے۔)

شاید یہی وجہ ہے کہ جب امام ابوحنیفہؒ سے کسی مسئلہ میں بہت سی روایات منقول ہوں اور شاہ صاحبؒ کے یہاں ان میں سے کوئی ایک کسی قوی دلیل و برہان کے ساتھ قابل ترجیح نہ ہو اور نہ ہی ان کے تقدم وتاخر کی کوئی اطلاع ہو تو آپ ان سب روایات کے مابین بالکل ایسے ہی تطبیق کی کوشش کرتے ہیں، جیسے متعارض نصوص کے مابین تطبیق دی جاتی ہے۔ فیض الباری میں اس بات کو زیادہ تفصیل سے اس طرح بیان کیا گیا ہے:

فائدۃ: و اعلم ان الروایات اذا اختلفت عن امامنا فی مسألۃ، فعامۃ مشایخنا یسلکون فیھا مسلک الترجیح، فیاخذون بظاھر الروایۃ و یترکون نادرھا، و لیس بسدید عندی، و لا سیما اذا کانت الروایۃ النادرۃ تتأید بالحدیث، فانی أحملہ علی تلک الروایۃ، و لا أعبأ بکونھا نادرۃ، فإن الروایۃ إذا جاءت عن إمامنا رحمہ اللہ تعالی لا بد أن یکون لھا عندہ دلیل من حدیث او غیرہ، فإذا وجدت حدیثا یوافقھا أحملہ علیھا۔ نعم الترجیح انما یناسب بین الأقوال المختلفۃ عن المشایخ، فإن التضاد عند اختلاف القائلین معقول، وربما یکون التوفیق بینھما خلاف منشئھم، وحینئذ لا سبیل الا إلی الترجیح، بخلاف ما إذا جاء

الاختلاف عن قائل واحد، فان الأولی فیها الجمع، فإن الأصل فی کلام المتکلم واحد أن لا یکون بین کلامیه تضاد، فینبغی بینهما الجمع أوّلاً، إلا أن یترجح خلافه، والأسف أنهم إذا مروا بأحادیث مختلفة یبتغون الجمع بینها عامة، واذا مروا بروایات عن الامام اذا هم یرجحون ولا یسلکون سبیل الجمع، فالاحب إلیَّ الجمع بین الروایات عن الإمام مهما أمکن، إلا أن یقوم الدلیل علی خلافه، فاعلمه ولا تعجل۔ (فیض الباری، ص: ۱/ ۴۶۵)

علامہ یوسف بنوریؒ نفحۃ العنبر فی حیاۃ الشیخ انور میں لکھتے ہیں:

علامہ شبیر احمد عثمانی نے ''فتح الملہم شرح مسلم'' میں لکھا ہے کہ امام العصر نے فرمایا کہ فقہائے کرام نے جو تصریح کی ہے ''الکفار مخاطبون بالمعاملات'' (یعنی کفار معاملات کے مخاطب ہیں) اس میں خطاب سے اگر یہ مراد لیں کہ آخرت میں ان معاملات پر ثواب وعقاب مرتب ہوگا، تو بلا شبہ ہمیں تسلیم ہے اور اگر دنیوی احکام میں ان کے معاملات کی صحت اور فساد مراد ہو تو میرے نزدیک یہ مسئلہ تفصیل طلب ہے۔ کیوں کہ ہدایہ میں تصریح ہے کہ اگر کافر کسی کافرہ سے بغیر گواہوں کے شادی کرلے، ایسی کافرہ سے جو اپنے سابق شوہر کی عدت میں تھی اور اس طرح کا نکاح ان کے دین میں جائز ہے، پھر دونوں اسلام قبول کرلیں تو ان کو امام صاحب کے نزدیک سابقہ نکاح پر برقرار رکھا جائے گا۔ کیوں کہ یہاں حرمت کو نہ حق شرعی کے طور پر برقرار رکھ سکتے ہیں، کیوں کہ کفار حقوق شرع کے مخاطب نہیں اور نہ حق زوج کے طور پر عدت واجب کرنے کی کوئی وجہ ہے، کیوں کہ زوج بوجہ کفر اس کا اعتقاد نہیں رکھتا۔

اسی طرح شیخ ابن الہمام نے فرمایا کہ اگر مسلمان کسی حربی سے میتہ یا خنزیر بیچے یا اس سے جوا کھیل کر مال حاصل کرے تو طرفین کے نزدیک مال حلال ہوگا۔ اگر کفار، صحت اور فساد کے اعتبار سے معاملات کے مکلّف ہوتے، تو پہلی صورت میں نکاح اور دوسری صورت میں مال لینا حلال نہ ہوتا۔ اور جب مسائل جواز و حلت کے بیان کئے جارہے ہیں تو یہی سمجھا جائے گا کہ کفار صحت وفساد کے اعتبار سے شرع کے مخاطب نہیں ہیں۔ اس کی اور دوسری نظریں بھی تتبع وتلاش سے معلوم کرسکتے ہیں۔ اس لئے جس طرح کفار کے حق میں فقہاء نے عقوبات کے باب سے حد شرع کو مستثنیٰ کیا ہے، اسی طرح معاملات میں بھی ایسی قید لگانا ضروری ہے، جس سے ان جزئیات کا استثناء کیا جاسکے، جن کی کتب فقہ میں تخریج موجود ہے۔ (نفحۃ العنبر، ص: ۸۳)

اسی طرح فقہ کا مشہور مسئلہ ''مصرات'' ہے، جس میں آپ کی رائے کو علامہ یوسف بنوریؒ ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں:

جس جانور کو فروخت کرتے وقت بیچنے والا قصداً اس کا دودھ نہیں نکالتا، تا کہ خریدار اس کو زیادہ دودھ

دینے والا سمجھ کر زیادہ دام میں خریدے، یہ ایک طرح کا دھوکہ ہے، جو دودھ دینے والے جانوروں کو بیچنے والے اکثر کیا کرتے ہیں۔اس کے بارے میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔اس مسئلہ میں ایک مشہور حدیث وارد ہے۔امام مالک، امام شافعی، امام احمد اور امام ابو یوسف رحمہم اللہ کا مذہب یہ ہے کہ تصریہ عیب ہے، جس کی وجہ سے بیع رد کر دی جائے گی ۔امام ابو یوسفؒ سے دو روایتیں منقول ہیں ۔ایک وہی کہ اونٹ یا بکری وغیرہ کے ساتھ ایک صاع کھجور بھی لوٹائی جائے، یا دودھ۔اور امام ابوحنیفہؒ، امام محمدؒ نے فرمایا کہ بیع رد نہ ہوگی ،یعنی اس صریح دھوکہ دھڑی کے باوجود خریدار کو اس جانور کے واپس کرنے کا حق نہیں ۔ یہ حدیث طرفین کے خلاف ہے۔

حنفیہ نے اس حدیث کا جواب دینے کے لئے مختلف توجیہات کیں اور مجبور ہو کر دلیل خصوص کے مقابلہ میں دلیل عموم یعنی نصوص اور آثار عامہ کا سہارا لیا۔علمائے حنفیہ میں سب سے بہتر جواب ''شرح معانی الآثار'' میں امام طحاویؒ نے دیا ہے۔آپ نے اس کے مقابلہ میں ''الخراج بالضمان'' والی حدیث پیش کی، جو قوی حدیث ہے۔

امام کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ امام طحاویؒ کا جواب اگر چہ دوسرے علمائے حنفیہ کے دلائل عمومات اور قیاس کے مقابلہ میں بہتر ہے اور متاخرین نے اس کی پیروی بھی کی، تاہم ہمارے فقہائے حنفیہ کی تفصیل کے مطابق یہ جواب ان کے حق میں مفید نہیں۔ کیوں کہ انہوں نے مسئلہ خیار عیب میں عیب کی آٹھ قسمیں بیان کیں ہیں۔مثلاً زیادتی خود مبیع میں ہے یا مبیع میں نہیں، پھر زیادتی متصل ہے یا منفصل، یہ چار قسمیں ہوئیں۔ پھر ہر ایک صورت یا تو قبضہ سے پہلے حاصل ہوگی یا قبضہ کے بعد، یہ آٹھ قسمیں ہوئیں ۔اور حدیث ''الخراج بالضمان'' کا محمل صرف وہ اضافہ ہے جو مبیع سے پہلے طے شدہ نہ ہو، تو پھر امام طحاوی کا اس دلیل عام سے استدلال کرنا کیسے معتبر ہوسکتا ہے جس میں چند وجوہ کا احتمال ہے۔اس کے بعد امام ا لکشمیریؒ نے فرمایا میرے نزدیک محقق یہ ہے کہ حدیث دیانت کے باب سے ہے، قضاء کے باب سے نہیں۔اس لئے دیانۃً بائع پر اقالہ واجب ہوگا کیوں کہ قضاء کی بنا ظاہر پر ہوتی ہے نہ کہ باطن پر، کیوں کہ باطن کے علم کی کوئی صورت نہیں ہے۔اس وقت یہ حدیث حنفیہ کے بیان کردہ مسائل کے مطابق ہوجا ئے گی۔کیوں کہ شیخ ابن الہمام نے ''فتح القدیر'' میں ''باب الاقالہ'' کے تحت تصریح فرمائی ہے کہ غرر یعنی دھوکہ کی دو قسمیں ہیں۔

۱-قولی۔۲-فعلی۔

پہلی صورت میں قضاءً اقالہ واجب ہے اور دوسری صورت میں دیانۃً واجب ہے اور یہاں دوسری

صورت یعنی غرر فعلی ہے، اس لئے دیانۃً اقالہ واجب ہوگا۔ میری نظر میں ایسا کوئی شخص نہیں ہے جو اس نکتہ تک پہنچا ہو۔ (ایضاً، ص: ۸۴)

اس کے علاوہ آپ، علامہ کی امالی وغیرہ میں اس کی بے شمار مثالیں پائیں گے۔

حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمن صاحب عثمانیؒ لکھتے ہیں:

''مجتہدانہ نظر رکھنے کے باوجود آپ پختہ حنفی تھے، اور کوشش کرتے تھے کہ حنفیہ کے اس مسلک کی دلپذیر وضاحت کریں جو اقرب الی الحدیث ہے۔ (تصویر انور، ص: ۴۴)

فقہ میں آپ کی اس مجتہدانہ شان اور تحقیقی نظر کا اندازہ اس جملے سے لگایا جاسکتا ہے جو مذکور ہو چکا کہ: ''حافظ (ابن حجر) حدیث میں پہاڑ ہیں، اگر کسی پر گر جائیں تو وہ ڈھے ہی جائے، لیکن فقہ میں درک نہیں رکھتے، میں نے ان کی نقول کی بھی غلطیاں پکڑی ہیں۔ رہے نوویؒ تو میں انہیں سطحی النظر عالم سمجھتا ہوں، احناف کے مذہب کو جانتے نہیں اور غلط اقوال ان کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ حافظ ابن حجرؒ، طحاوی کی بعض انتہائی علمی کاوشوں کو سمجھے نہیں اور سخت نکتہ چینی کر بیٹھے۔ میں نے ایسے مواقع کی نشاندہی کی ہے۔ (نوادرات، ص: ۲۸)

خلافت عثمانیہ کے مفتی اعظم علامہ زاہد الکوثری نے اپنی تصنیف ''تانیب الخطیب'' میں لکھا ہے: ''رفع الیدین کے موضوع پر جانبین سے خاص خاص کتابیں لکھی گئی ہیں، لیکن اس موضوع پر علامہ بحر وبر مولانا انور شاہ صاحب کشمیری نے جو دو کتابیں ''نیل الفرقدین وبسط الیدین'' کے نام سے لکھی ہیں، ان میں سب کا لب لباب آ گیا ہے اور یہ موضوع بحث پر شافی وکافی ہے۔'' (الانور، ص: ۳۳۹)

علامہ مزید فرماتے ہیں: ''احادیث سے دقیق مسائل کے استنباط میں شیخ ابن ہمام صاحب فتح القدیر کے بعد ایسا محدث وعالم امت میں نہیں گذرا۔ (تصویر انور: ۶۷)

فقہ حنفی سے آپ کو خاص لگاؤ تھا، اسی وجہ سے تصنیفی وتالیفی باقیات عمومی طور پر ان اختلافی مسائل پر ہیں جو احناف وغیر احناف علماء کے مابین مختلف فیہ رہے ہیں۔ ان تصانیف میں فصل الخطاب فی مسئلۃ ام الکتاب، کشف الستر عن صلوۃ الوتر، بسط الیدین فی مسئلۃ رفع یدین، نیل الفرقدین فی مسئلۃ رفع الیدین، اپنے اپنے موضوعات پر انتہائی اہم ہیں، اس کے علاوہ آپ کی درسی تقاریر میں بھی آپ کی فقہی بصیرت کی بے شمار مثالیں موجود ہیں، جنہیں ہر قاری محسوس کرسکتا ہے۔

……✦……

حضرت نجاشی شاہِ حبشہ

حافظ محمد ادریس

حبشہ کے بادشاہ کا لقب نجاشی ہوتا تھا، جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں حبشہ پر حکمران تھا۔ اس کا نام اصحمہ بن ابجر تھا۔ یہ نام تاریخ میں اصحمہ بن ابحر بھی بیان ہوا ہے، مگر ہمارے نزدیک زیادہ صحیح اصحمہ بن ابجر ہے۔ اس بادشاہ کی شخصیت تاریخ انسانی کی نادر اور یادگار شخصیات میں سے ہے۔ اس کا والد جب حکمران تھا تو ملک کے اندر مکمل امن وامان تھا۔ مؤرخ ابن ہشام نے حضرت عروہ بن زبیرؓ، حضرت عائشہؓ صدیقہ اور حضرت ام سلمہؓ کی بیان کردہ روایات کی روشنی میں ایک دل چسپ واقعہ لکھا ہے۔ دیگر مؤرخین نے بھی اس کو اپنی تواریخ میں جگہ دی ہے۔ ابن ہشام کے مطابق اصحمہ کا باپ ابجر بادشاہ نہایت دانش مند، صاحبِ حکمت، عادل اور بہادر انسان تھا۔ بدطینت سردارانِ قوم اور بدعنوان مذہبی رہنما اس صاحبِ خیر بادشاہ کے خلاف سازش کرنے لگے۔ اس بادشاہ کا ایک ہی بیٹا تھا، جب کہ اس کے دوسرے بھائی کے بارہ بیٹے تھے۔ سرداروں نے آپس میں مشورہ کرکے سوچا کہ بادشاہ کے خلاف سازش کا مضبوط منصوبہ بنایا جائے۔ وہ نہ خود بدعنوانی کرتا ہے، نہ کسی کو اس کا موقع دیتا ہے۔ سوچ بچار ہوئی کہ دیگر لوگوں اور ساری رعایا کو اپنا ہمنوا بنانے کے لیے کیا حربہ اختیار کیا جائے؟ انھوں نے طے کیا کہ عوام کو بتایا جائے، اگر اس بادشاہ کو کچھ ہوگیا اور اس کا نوعمر بیٹا حکمران بنا تو وہ اکیلا کیا کر سکے گا؟ بہتر یہ ہے کہ اس بادشاہ کو میدان سے ہٹا دیا جائے اور اس کے بھائی کو تاج پہنا دیا جائے۔ اس کے بارہ بیٹے ہیں جو اس کی قوت کا راز ہیں اور اس کے بعد حکومت کی مضبوطی کی ضمانت بن سکتے ہیں۔ اس سازش کے تحت انھوں نے طے کیا کہ بادشاہ کو قتل کر دیا جائے اور اس کے بھائی کو بادشاہ بنا دیا جائے۔ چنانچہ سازشی ٹولے نے اس عادل ومنصف اور نیک سیرت وپاکیزہ اخلاق حکمران کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سازشی سردارانِ قوم کے بُرے عزائم کی راہ میں وہ نیک حکمران ایک مضبوط رکاوٹ تھا، اس وجہ سے وہ اس سے چھٹکارا پانا چاہتے تھے۔ حبشہ کی تاریخ میں ایک دیانت دار حکمران کے قتل کا یہ اقدام ایک انتہائی دردناک سانحہ تھا، مگر اس سے آگے مزید سانحات بھی اس ملک کے نصیب میں تھے، البتہ اللہ تعالیٰ جو تنہا کائنات کا خالق ومالک ہے، شر میں سے خیر نکالنے پر پوری طرح قادر ہے۔ بعد میں رونما ہونے والے واقعات سے یہ حقیقت اظہر من الشّمس ہوگئی کہ ربِّ کائنات ظالموں کو ڈھیل ضرور دیتا ہے، مگر جب چاہے ان کی رسّی کھینچ لیتا ہے۔

اسی طرح وہ اہلِ حق پر آزمائشیں ڈالتا ہے، مگر جب وہ ان آزمائشوں میں ثابت قدمی کا مظاہرہ کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی نصرت ان کے شاملِ حال ہوتی ہے۔ اس کے فرشتے ان اللہ والوں کے دلوں کو سکینت دیتے ہیں اور نصرتِ خداوندی ان کے دشمنوں کی تمام چالوں کو انھی پر الٹ دیتی ہے۔ ان صاحبِ کردار بندوں کے مقدر میں کامیابی اور فتح لکھ دی جاتی ہے اور مخالفین کے حصے میں شکست اور رُسوائی کے سوا کچھ نہیں آتا۔ والد کے قتل کے وقت یتیم اصحمہ کی عمر بہت کم تھی اور وہ اپنے باپ کا اکلوتا بیٹا تھا۔ اس معصوم بچے کے دل پر قیامت گزر گئی، مگر وہ بے چارہ کیا کرسکتا تھا۔ بہرحال اس کے چچا نے تخت نشین ہونے کے بعد اسے بھی اپنے محل میں اپنے ساتھ رکھ لیا۔ سردارانِ قوم اس نوعمر یتیم لڑکے کو بھی حسد کی نظر سے دیکھتے تھے۔ انھیں ڈر تھا کہ اگر کبھی یہ لڑکا بڑا ہوکر بادشاہ بن گیا تو اپنے باپ کے قاتلوں سے ضرور بدلہ لے گا۔ انھوں نے بادشاہ کے کان بھرنا شروع کیے اور اسے آمادہ کرنا چاہا کہ اس بچے کو راستے سے ہٹا دیا جائے، کیونکہ وہ بڑا ہوکر باپ کا بدلہ لینے پر تل گیا تو بادشاہ کو بھی نہیں بخشے گا۔ جب انھوں نے بادشاہ سے یہ بات کی تو اس نے کہا: ویلکم! قتلت اباہ بالامس واقتلہ بالیوم! ''تمھاری بربادی ہو، کل میں نے اس کے باپ کو (ناحق) قتل کیا، آج اسے قتل کردوں''۔ درباریوں نے کہا کہ چلیے ٹھیک ہے، اسے قتل نہ کریں، لیکن جلاوطن کردیں۔ اس بات پر ان بدبختوں نے اتنا اصرار کیا کہ بالآخر بادشاہ نے بادل ناخواستہ اس تجویز سے اتفاق کرلیا، چنانچہ شہزادہ چھ سو درہم میں فروخت کردیا گیا۔ اس مظلوم شہزادے کو بازار سے خریدنے والا تاجر اس کو اپنے ساتھ کشتی میں سوار کرکے اپنے وطن لے گیا۔ جب شام ہوئی تو آسمان پر ایسے سیاہ اور خوف ناک بادل چھائے، جن کی چمک اور گرج نے زمین اور پہاڑ ہر چیز کو ہلا ڈالا۔ بادشاہ گھبرا کر محل سے باہر نکلا تو آسمانی بجلی نے اسے مار ڈالا۔ ہر جانب گھپ اندھیرا چھا گیا اور ساری قوم لرز اٹھی، کہ اب کیا ہوگا؟ سازش کرنے والے شریر سرداران و پادریان جن کے بارے میں مؤرخین نے لکھا ہے کہ وہ کل بیس تھے، سبھی کے سبھی اندھے ہوگئے اور پھر ذلت کی موت مر گئے۔ (سیرۃ ابن ہشام، ص ۳۳۸-۳۴۰)

چند دنوں تک پورے ملک میں مصیبت اور افراتفری کی یہی کیفیت رہی۔ ہر شخص اس صورتِ حال سے پریشان تھا، جو بدکردار موت کے گھاٹ اتر گئے، وہ تو نشانِ عبرت بن گئے، مگر اب حبشہ کے دیگر اربابِ حل وعقد اور سردار جو بچ گئے سب کے سب گھبراہٹ میں سرگرداں تھے۔ بادشاہ مر چکا تھا اور تخت خالی تھا۔ جب اس بادشاہ کے بیٹوں کا جائزہ لیا گیا تو وہ اتنے عیاش تھے کہ ان میں سے کوئی بھی حکومت کی قابلیت اپنے اندر نہیں رکھتا تھا۔ سب نشے میں دھت تھے۔ اب پورے ملک میں سراسیمگی پھیل گئی۔ سمجھ دار لوگوں نے سردارانِ قوم کو لعن طعن کیا اور کہا کہ یہ سب تمھارا کیا دھرا ہے۔ پوری قوم یک زبان ہوگئی کہ اب اس عذاب الٰہی سے نکلنے کا ایک ہی راستہ ہے اور وہ یہ کہ اس شہزادے کو تلاش کرو، جسے تم نے ظلم وستم سے دیس نکالا دیا ہے۔ شہزادے کی تلاش میں کتنا عرصہ لگا، اس کا صحیح اندازہ تو مشکل ہے، البتہ اس کے تلاش

کنندہ اسے فوراً تلاش نہ کرسکے۔

امام حلبی لکھتے ہیں: فخرجوا فی طلبہٖ وطلبِ الرجلِ الّذِی باعوہ حتی ادرکوہ فاخذوا منہ ثم جاؤابہ، فعقدوا علیه التاج واقعدوه علی سریر الملك فملّکوه، ''یعنی یہ لوگ اس شہزادے اور جس شخص کے ہاتھ اس کو بیچا گیا تھا، کی تلاش میں نکلے، یہاں تک کہ اسے پالیا، پھر اس سے شہزادے کو زبردستی واپس لے لیا اور اپنے ملک میں لے آئے۔ اس کے سر پر تاج رکھا اور اسے تخت نشین کیا''۔ یوں اس عظیم نوجوان کی حکومت قائم ہوئی۔ (السیرۃ الحلبیۃ، ج۱،ص۴۷۷-۴۸۲)

یہ واقعہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ وہ تاجر نہیں جانتا تھا کہ یہ نوجوان کون ہے؟ جب اس سے زبردستی اس کا غلام چھین لیا گیا تو وہ حبشہ پہنچا اور بادشاہ کے دربار میں آکر شکایت کی۔ اس نے کہا کہ یا تو اس کا غلام اسے دیا جائے یا اس سے وصول کی گئی قیمت لوٹائی جائے۔ وہ یہ دیکھ کر حیران ہوا کہ جو غلام اس نے خریدا تھا وہ اب اس ملک میں تاج وتخت کا مالک ہے۔ اس پر وہ گھبرا گیا، مگر بادشاہ نے فیصلہ دیا کہ مدعی کا دعویٰ ٹھیک ہے، اسے وصول کی گئی قیمت واپس دی جائے یا پھر اس کا غلام اس کے سپرد کیا جائے۔ پس اس تاجر کو قیمت ادا کی گئی۔ یہ اصحمہ بن ابجر کا پہلا فیصلہ تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کس قدر عالی اخلاق کا مالک، عادل اور منصف مزاج تھا۔ تاریخ میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ جس تاجر نے شہزادہ اصحمہ کو خریدا تھا، وہ عرب تھا اور اس کا تعلق قبیلہ بنی ضمرہ سے تھا۔ وہ شہزادے کو لے کر اپنے علاقے میں گیا، جو بدر کے قرب وجوار میں واقع تھا اور وہاں شہزادے کو بکریاں چرانے پر لگا دیا۔ جب حبشہ میں بجلیاں کڑکنے کا واقعہ رُونما ہوئے کچھ عرصہ بیت چکا تھا۔ اس وقت شہزادہ جوانی کی عمر کو پہنچ گیا تھا۔ جب اس کی تلاش میں لوگ نکلے تو اسے جزیرۂ نمائے عرب میں جا پایا، اسے وہاں سے لے کر حبشہ آ گئے۔

نورالدین الحلبی بیان کرتے ہیں کہ جب بدر میں آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح ہوئی اور یہ خبر نجاشی تک پہنچی (وہ اس وقت تک مسلمان ہو چکے تھے، اگرچہ ابھی اس کا اعلان نہیں کیا تھا) تو انھوں نے تخت سے اُتر کر زمین پر سجدہ کیا۔ لوگوں نے پوچھا بادشاہ سلامت آپ نے یہ کیا کیا؟ جواب دیا: انجیل میں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ جب اللہ بندے کو کوئی نعمت عطا فرمائے تو اسے اس کی زمین پر سجدہ کرنا چاہیے۔

سجدہ کرنے کے بعد حضرت نجاشی نے فرمایا: آج اللہ تعالیٰ نے بہت بڑی خوشی اور عظیم نعمت سے ہمیں نوازا ہے اور وہ یہ ہے کہ محمدؐ اور ان کے دشمن آپس میں بدر کے میدان میں ٹکرائے ہیں۔ اس جنگ میں اللہ نے اپنے نبی کو شاندار کامیابی سے نوازا ہے۔ میں میدانِ بدر کو اس کی جھاڑیوں سمیت اچھی طرح جانتا ہوں۔ (السیرۃ الحلبیۃ، ج۱، ص۴۸۰)

……✦……

مفتی اسماعیل بسم اللہ سملکیؒ

مولانا سید فضیل احمد ناصری

استاذ حدیث جامعہ ونائب مدیر ماہ نامہ محدث عصر، دیوبند

گجرات کی وہ شخصیات جنھوں نے امام العصر علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کے دروس سے استفادہ کیا اور شاگردی کا عظیم شرف انہیں حاصل رہا، ان میں ایک بڑا نام حضرت مولانا مفتی اسماعیل بسم اللہ کا بھی ہے۔ ان کی پوری زندگی اہل علم کے لیے ایک مشعل راہ ہے۔ ان کی طالب علمی کا کیا کہنا، صعوبتوں سے لبریز۔ کبھی نشیب کبھی فراز۔ مصائب و آلام کا ازدحام۔ دشواریوں کا سیل بے کراں۔ پھر عملی زندگی میں داخل ہونے کے بعد ان کے کارنامے، ان کی عظیم خدمات اور ان کی بے مثال تگ و تاز۔ حیرت انگیز قوت حافظہ، فقیہانہ مہارتوں کا پیکر مجسم۔ حق گوئی و بے باکی میں فلک بوس ہمالہ۔ غرض ایک شاہ کار شخصیت۔ ان کی ہی حیات مستعار کے کچھ نمونے اس وقت حاضر خدمت ہیں۔

خاندان اور نام و نسب

مفتی اسماعیل بسم اللہ کا نسب نامہ اس طرح ہے: اسماعیل بن محمد بن یوسف بن محمد۔ بسم اللہ ان کے خاندان کا سرنیم ہے۔ اس کی وجہ تسمیہ کیا ہے، قطعیت کے ساتھ معلوم نہیں ہو سکی۔ خاندان والے بھی اس کا سراغ لگانے سے عاجز ہیں۔ بعضے کا خیال ہے کہ اس خاندان کے ایک بزرگ کا تکیۂ کلام ہی بسم اللہ تھا، اس لیے لوگوں نے انہیں بسم اللہ کہنا شروع کر دیا اور پھر ان کی اولاد میں ہر ایک کے نام کے ساتھ یہ لاحقہ جڑتا گیا۔

مفتی صاحب کی ولادت، تعلیم و تربیت

مفتی صاحب کی ولادت 1316ھ مطابق 1898 میں ہوئی۔ دینی و دنیاوی تعلیم کا آغاز ایک ساتھ

ہوا۔قصبہ ڈابھیل میں حافظ سلیمان ابراہیم وانجھا تھے،وہی ان کے ابتدائی استاذ تھے۔ان کے پاس ناظرہ قرآن پڑھا اور انہیں کی نگرانی میں 10 رسال کی عمر میں حافظ قرآن بھی ہوئے۔ ناظرہ خوانی کے ساتھ گجراتی تعلیم بھی سات درجے تک حاصل کی۔

حفظ کی تکمیل کے بعد اردو فارسی کی تعلیم کے لیے مدرسہ تعلیم الدین ڈابھیل پہونچے۔1326ھ میں ان کا داخلہ ہوا۔وہاں کے اساتذہ میں حضرت مولانا احمد حسن بھامؒ تھے، جو جامعہ تعلیم الدین ڈابھیل کے بانی بھی تھے۔مولانا غلام نبی صاحبؒ سے بھی رشتۂ تلمذ قائم ہوا۔ڈابھیل میں تعلیم کا سلسلہ زیادہ دنوں جاری نہ رہ سکا۔ وہاں سے نکلے اور مدرسہ انجمن اسلام کٹھور میں داخلہ لیا۔ یہاں دو سال خوشی چینی کی۔گلستاں، بوستاں اور فارسی کی متعدد کتابیں مولانا عبدالحق ہزاروی صاحبؒ سے پڑھیں۔

دارالعلوم دیوبند میں داخلہ

کٹھور میں دو سالہ قیام کے بعد دارالعلوم دیوبند کا سفر کیا۔ 1331ھ مطابق 1913ء میں مفتی صاحب کا داخلہ عربی اول میں ہوا۔ یہ وہ مبارک دور تھا،جس میں دارالعلوم کی قیادت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ فرمارہے تھے۔عباقرۂ روزگار یہاں علم وفن کے پرچم لہراتے۔مفتی بسم اللہ صاحب کو شیخ الہندؒ سے پڑھنے کا موقع تو نہیں ملا،مگر ان کی معارف ریز مجلسوں میں باریابی کی سعادت میسر رہی۔مفتی صاحب یہاں تین سال رہے۔ پہلے سال میزان الصرف اور منشعب ، دوسرے سال کافیہ،فصول اکبری، مرقات،منیۃ المصلی ، ہدایۃ النحو پڑھی اور تیسرے سال تہذیب،شرح جامی بحث فعل،شرح جامی بحث اسم، اصول الشاشی،شرح تہذیب،نورالانوار، کنزالدقائق، قطبی تصدیقات شرح اول اور نفحۃ الیمن پڑھی۔

تعلیمی سفر انقطاع کا شکار

دارالعلوم دیوبند میں تعلیم کا سلسلہ بہ حسن وخوبی جاری ہی تھا کہ ایک ناگہانی تقریب نے ان کے بڑھتے قدم روک لیے۔والد مرحوم کا بلاوا آیا کہ تمہارا نکاح ہے اور تمہیں بلا تاخیر آنا ہے۔ان کے خسر کی جلد بازی کی وجہ سے یہ نکاح آناً فاناً ہوا اور اچھا خاصا تعلیمی سلسلہ منقطع ہوکر رہ گیا۔شادی کے بعد گھر پر ہی قیام رہا۔فترت انہیں ڈستی رہی۔علم کی بھوک انہیں بے چین کرتی رہی،مگر حالات دیکھ کر پیچھے ہٹ جاتے۔ ہمت مرداں مدد خدا۔ایک دن رکاوٹوں کی ساری زنجیریں کاٹ ڈالیں۔ سچی طلب ہر وادیٔ خاردار کو مرغ زار بنا کر رکھ دیتی ہے۔اس کے لیے کوہ کنی اور کاہ برآری کوئی مشکل نہیں رہ جاتی۔ چند سالہ انقطاع کے بعد

تحصیل علم کے لیے پھر اٹھے اور اب دار العلوم کے بجائے مدرسہ امینیہ دہلی کا رخ کیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب وہاں علم کے جواہر لٹاتے۔ 30 شوال 1335ھ میں یہاں داخل ہوا اور شعبان 1336ھ میں موقوف علیہ کی جماعت مکمل کی۔ یہاں انہوں نے مشکوٰۃ شریف، جلالین، ہدایہ اولین اور دیوان متنبی کے دروس لیے۔ اساتذہ میں مولانا امین الدین صاحب اورنگ آبادیؒ اور مفتی کفایت اللہ شاہ جہاں پوریؒ تھے۔ مدرسہ امینیہ میں صرف دو سال قیام کیا۔ اس دوران مفتی کفایت اللہؒ کی زیر نگرانی فتویٰ نویسی کی مشق بھی کی۔ دورۂ حدیث کے لیے ایک بار پھر دار العلوم پہونچے اور یہاں وقت کے اساطین امت سے حدیث کی کتابیں پڑھنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ مفتی صاحب کا داخلہ 1337ھ میں ہوا اور ایک سال رہ کر سند فراغت حاصل کر لی۔ یہ عہد علامہ کشمیریؒ کی صدارت تدریس کا تھا۔ یہ عدیم النظیر ہستی اس وقت بخاری شریف اور ترمذی شریف کا درس دیتی، جس کا ڈنکا پوری دنیا میں بج چکا ہے اور ہنوز اس آوازے میں کوئی کمی نہیں آئی۔ مفتی صاحب کے ساتھیوں میں حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ، مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ اور جامعہ تعلیم الدین ڈابھیل کے شیخ الحدیث مولانا محمد ایوب اعظمیؒ جیسے نامور علمی کواکب بھی ہیں۔

عملی زندگی کا پہلا قدم

1337ھ مطابق 1920ء میں دار العلوم سے فراغت کے بعد عملی زندگی میں بہت جلد قدم زن ہو گئے۔ دینی خدمات کا آغاز ڈابھیل میں واقع اونچا محلہ میں امامت سے کیا۔ چند ماہ اپنے وطن میں گزارے ہی تھے کہ گارڈی سیٹھ کی طرف سے افریقہ جانے کی دعوت ملی، 1339ھ میں وہ افریقہ پہونچے اور جوہانس برگ میں درس وتدریس کی خدمت انجام دی۔ افریقہ میں ان دنوں کالوں اور گوروں میں جاہلی عصبیت کا عجیب طوفان جاری تھا۔ انگریز ہندوستانیوں کو از راہ استحقار ''قلی'' کہا کرتے۔ ایک دن ایک انگریز نے انہیں بھی قلی کہہ دیا۔ اتنا سننا تھا کہ پارہ چڑھ گیا اور اسی وقت گجرات کے لیے کمر بستہ ہو گئے۔ افریقہ کی سرزمین کو سدا کے لیے خیر باد کہہ دیا۔

جامعہ تعلیم الدین ڈابھیل میں تقرری

جنوبی افریقہ میں تین یا چار سال گزار کر 1924 مطابق 1342ھ کو اپنے وطن ڈابھیل پہونچے اور دو ماہ کے بعد ہی شہرت یافتہ تعلیم گاہ جامعہ تعلیم الدین ڈابھیل میں تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اس وقت کے

مہتمم مولانا احمد بزرگؒ تھے۔ 1926 تک ان کی خدمات جاری رہیں۔ تین سال کے بعد یہاں سے بھی انہوں نے اپنی بساط سمیٹ لی اور برما روانہ ہو گئے۔

برما میں مفتی صاحبؒ کے علم وفضل کے چرچے

برما اس زمانے میں ہندوستان کا ہی حصہ تھا۔ وہاں کے رنگون میں واقع سورتی جامع مسجد میں دار الافتاء بھی چلتا تھا۔ مفتی صاحب 1926 ماہ جون میں اس دار الافتا کے کے لیے منتخب ہوئے اور 1935 تک فتوی نویسی کرتے رہے۔ ان کا قلم سیال اور سبک خرام تھا۔ کتابوں پر عمیق نظر اور استحضار بلا کا تھا۔ اپنے اس خداداد ملکے سے خوب خوب کام لیتے۔ نو سال کے عرصے میں انہوں نے اتنے فتوے لکھے کہ بڑی تقطیع کے 11 رجسٹر ان فتووں سے بھرے پڑے ہیں۔ ترتیب کا کام جاری ہے۔ انہی خدمات کی وجہ سے انہیں ''مفتی اعظم برما'' بھی کہا جاتا ہے۔

برما کی سورتی جامع مسجد سے استعفا

مفتی صاحب نے دعوت وتبلیغ کی مساعئ جمیلہ سے برما میں ایک انقلاب برپا کردیا۔ وہ ایک عظیم مفتی ہونے کے ساتھ ایک ملی وسیاسی قائد کی صورت میں بھی انفس وآفاق پر چھاتے گئے۔ جمیعۃ علماء برما کے بناو قیام میں پیش پیش رہے۔ اس پلیٹ فارم سے ان کی خدمات ناقابل فراموش ہیں، لیکن یہی جمیعۃ بعد میں ان کے لیے پنگھٹ کی ڈگر ثابت ہوئی۔ کئی مداح وممدوح ان کے حریف بنتے چلے گئے اور برما کی زمین ان پر تنگ ہوتی گئی۔ سورتی سنی جامع مسجد، جہاں سے ان کے فتوے جاری ہوتے تھے، وہاں کے ذمے داروں میں کچھ اختلاف سا ہو گیا، جو اندر اندر لاوا بنتا رہا۔ ایک فتوے نے اسے آتش فشاں بنا دیا۔ قصہ یہ تھا کہ اس جامع مسجد کے ذمے داران ملک معظم کی سلور جوبلی منانے کے لیے مسجد میں چراغاں کر رہے تھے۔ مفتی صاحب سے فتوی معلوم کیا گیا تو صاف کہہ دیا کہ اسلام میں اس عمل کی کوئی گنجائش نہیں۔ ان کا یہ دوٹوک فتوئ جوبلی والوں کے لیے برق بے اماں بن گیا۔ وہ سخت برافروختہ اور سیخ پا ہوئے۔ بات بگڑتی گئی۔ چند ماہ کے بعد اسی نوعیت کا ایک اور مسئلہ کھڑا ہو گیا، جس کے بعد بات اس حد تک بڑھی کہ مفتی صاحب نے وہاں سے نکلنے میں ہی عافیت سمجھی۔

مولانا محمد یونس صاحب مقیم برطانیہ لکھتے ہیں:

''حضرت مفتی اسماعیل بسم اللہ صاحب دار الافتاء سورتی جامع مسجد میں افتا کا کام کر رہے

تھے۔اس زمانے میں مسجد کے متولی مدھا سیٹھ سے کچھ بات بڑھ گئی تھی، جو کروڑ پتی آدمی تھے۔ وہاں شب برات کے موقع پر مسجدوں میں بے انتہا لائٹوں کا انتظام کیا جاتا تھا۔گھر گھر حلوے تقسیم کیے جاتے تھے اور پٹاخے پھوڑے جاتے تھے۔جب شب برات کا موقع آیا تو اس سے دو دن قبل حضرت مفتی صاحب ظہر سے کچھ دیر پہلے ہی مسجد تشریف لے آئے۔آپ نے دیکھا کہ مسجد کے میناروں پر کچھ لوگ لائٹ وغیرہ لگا رہے ہیں۔آپ نے موذن سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ آپ کو پتہ نہیں، شب برات آنے والی ہے، اس لیے لائٹوں کا انتظام کیا جارہا ہے۔مفتی صاحب نے اور تفصیل معلوم کی، پھر فرمایا کہ مسجد کے پیسوں سے اس طرح فضول خرچی جائز نہیں ہے۔یہ بات مدھا سیٹھ تک پہنچی تو اس نے کہا کہ مفتی صاحب تو کہتے رہتے ہیں، ہمیں اپنا کام کرنا ہے۔بعد میں بعضوں نے مفتی صاحب سے کہا کہ آپ نے ایسی بات کہی ہے، اس لیے مدھا سیٹھ آپ کے مخالف ہو گئے ہیں۔حضرت مفتی صاحب نے فرمایا کہ میں نے حق بات کہی ہے۔ایک مرتبہ نہیں 70 مرتبہ کہوں گا کہ یہ دین وشریعت کی بات ہے۔پھر دونوں کے درمیان روبرو گفتگو ومباحثہ بھی ہوا۔اس کو اپنے مال ودولت پر گھمنڈ تھا۔حضرت مفتی صاحب نے استعفا دے دیا۔'' (نقوش بسم اللہ صفحہ نمبر 150)

وہاں سے نکلے اور برما ہی کے ایک دوسرے شہر مانڈلے چلے گئے۔وہاں ان کا دل لگ نہیں سکا، چند ماہ قیام کے بعد پھر ڈابھیل آ گئے۔

برما میں مفتی صاحبؒ کی خدمات

مفتی صاحب برما میں نو سال قیام پذیر رہے اور وہاں کے چپے چپے پر اپنے نقوش ثبت کیے۔فقہ وفتاویٰ میں ان کی خدمات کا دائرہ تو مستند ومسلم ہے ہی۔ان کے روشن کارناموں میں جمعیۃ علمائے برما کا قیام بھی ہے، جسے انہوں نے بام عروج پر پہونچایا۔اس کی تشہیر اور اس کے حلقۂ اثر کی توسیع میں دن رات ایک کر دیے۔اسی کے پلیٹ فارم سے سیاست میں بھی طالع آزمائی کی۔جمعیۃ علمائے برما ان کی سیاسی بصیرت کی منہ بولتی تصویر ہے۔

علامہ کشمیریؒ کو سفر برما کی دعوت

جن دنوں مفتی صاحب برما میں قیام پذیر تھے، ان کے جلیل استاذ علامہ محمد انور شاہ کشمیری قدس سرہ

ڈابھیل میں درس حدیث کے پھریرے اڑاتے۔ جمعیۃ علمائے برما کی خواہش ہوئی کہ علامہ کشمیریؒ برما تشریف لے جائیں، چناں چہ ذمہ داران جمعیۃ نے ڈابھیل کے مہتمم صاحب کو ایک خط ارسال کیا، جس کا متن یہ تھا:

''مخدوم ومکرم جناب مولانا احمد بزرگ صاحب دامت الطافکم اجلاس مجلس منتظمہ جمعیت علمائے صوبہ برما منعقدہ 25 جولائی 1930 میں بہ اتفاق آرا یہ امر طے پایا ہے کہ آں جناب اور جناب مولانا انور شاہ صاحب اور جناب مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب کو رنگون تشریف لانے کی دعوت دی جائے۔ بناء علیہ جمعیۃ آپ تینوں حضرات کو دعوت دیتی ہے کہ بتاریخ 8 / اکتوبر 1930ء ڈابھیل سے روانہ ہوکر 12 اکتوبر 1930 کو جہاز پر سوار ہوجائیں۔ اراکین جمعیۃ اس سے خوش ہیں کہ حضرت شاہ صاحب اور جناب مولانا شبیر احمد صاحب ایک خادم اپنے ہمراہ لائیں۔ پس جناب اور جناب شاہ صاحب اور جناب مولانا شبیر احمد صاحب اور دو خادم جملہ پانچ صاحبان ہوں گے۔ جناب کا جواب مل جانے پر پانچ آدمیوں کے لیے سفر خرچ از ڈابھیل تا کلکتہ بھیج دیا جائے گا اور کلکتہ سے رنگون تک سفر جہاز کا انتظام بذریعہ داؤد جی دادا بھائی کمپنی وغیرہ معتبر حضرات کیا جائے گا۔

اس موقع پر یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ ہندوستان کے دیگر صوبہ جات کے مسلمانوں کو تو بہت سے مواقع مشاہیر علمائے کرام کی زیارت اور حصول فیوض و برکات کے ملتے رہتے ہیں اور ملک بھر میں ایسے بزرگوں کے قدم مبارک بالکل شاذ و نادر اور اتفاقیہ ہی آتے ہیں۔ پس ہوسکتا ہے کہ عین وقت پر اس خیال سے کہ ایسے بزرگان دین کا بار بار تشریف لانا اس دور دراز ملک میں ایک امید موہوم ہے، 15 روز سے کچھ زائد قیام پر اصرار ہو، لہذا ابھی سے اس کی رعایت فرمالیں کہ مفروضہ بالا حالت میں 15 روز سے زائد صرف ہفتہ عشرہ کے لیے آپ حضرات کو اور قیام فرمانا ضروری ہوگا تاکہ آرزومندوں کی دل شکنی نہ ہو۔ بہ لحاظِ بصیرت ایک امر قابل گزارش بھی ہے کہ صوبۂ برما کا حال ہندوستان کے دوسرے صوبوں جیسا نہیں ہے، اسی لیے علحدگی برما کی اسکیم تقریباً مکمل ہوچکی ہے اور اب تک یہاں پر موجودہ جنگ آزادی کا کچھ اثر پڑا نہیں ہے۔ بنابریں یہاں اس کا لحاظ رکھنا اہم ہے کہ علمائے کرام کے مواعظ میں سوائے حقانیت اسلام و تبلیغی سلسلہ اور کوئی سیاسی انداز رونما نہ ہوتا کہ ہم لوگوں کے اغراض و مقاصد میں رکاوٹیں پیدا نہ ہوسکیں۔ مناسب سمجھ کر عرض کردیا گیا۔

صدر: عبدالخالق عفی عنہ، نائب صدر۔ احمد اشرف راندیری، صدر مفتی اسماعیل ابن محمد بسم اللہ عفی عنہ علامہ کشمیری رحمہ اللہ اپنے رفقاء سفر کے ساتھ برما تشریف لے گئے اور اہل رنگون کو اپنے خطبات ومواعظ سے مستفید فرمایا۔ جمیعۃ علمائے برما کی جانب سے پرزور الفاظ میں سپاس نامہ پیش کیا گیا۔'' (نقوش بسم اللہ جلد اول صفحہ نمبر 140139)

دارالعلوم برما کا قیام

جمیعۃ علمائے برما کے سائے تلے ''تھازی'' میں ایک مدرسہ قائم کیا گیا، جو بعد میں دارالعلوم برما کہلایا۔ اس کے بانیان میں جہاں حاجی محمد یوسف صاحب، جناب حاجی محمد ہاشم پٹیل صاحب، جناب مولانا الحاج احمد اشرف صاحب اور حضرت مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی ہیں، وہیں مفتی صاحب بھی اس کے بانیوں میں تھے۔ یہ ادارہ مفتی صاحب کی کوششوں سے خوب پھلا پھولا اور کافی نیک نامی حاصل کی۔

جامعہ ڈابھیل میں دوبارہ آمد

برما میں نوسالہ قیام کے بعد بالاخر انہوں نے استعفی دے دیا۔ ڈابھیل کے مہتمم مولانا احمد بزرگ کو جب پتہ چلا تو مفتی صاحب کو جامعہ میں بلا لیا اور درس وتدریس کے ساتھ افتا کی ذمہ داری بھی ان کے کندھے پر ڈال دی۔ یہ وہ مسند تھی، جو حضرت مفتی عتیق الرحمن عثمانی دیوبندی کے مستعفی ہونے کے بعد برابر خالی چل رہی تھی۔ مفتی بسم اللہ صاحب آئے اور نہایت کامیابی سے اس روایت کو آگے بڑھایا۔

نائب مہتمم بنائے گئے

مفتی صاحب کو جامعہ ڈابھیل آئے ہوئے ابھی صرف سوا سال ہوئے تھے کہ مولانا احمد بزرگ صاحب کو چندے کے عنوان سے افریقہ کا سفر کرنا پڑا جو دس ماہ کے طویل عرصے کے لیے تھا۔ مہتمم صاحب ارادۂ سفر کے ساتھ ہی اپنی جانشینی کے لیے مفتی صاحب کو نامزد کر دیا۔ نائب مہتمم کا منصب انہیں سونپا اور افریقہ روانہ ہو گئے۔ علامہ شبیر احمد عثمانی اس وقت وہیں پڑھاتے تھے اور علامہ کشمیریؒ کے داماد مولانا سید احمد رضا بجنوریؒ بھی وہیں تدریسی خدمات انجام دیتے۔ مولانا بجنوریؒ کے ساتھ انہوں نے مولانا احمد بزرگ صاحب کے کام کو خوبی کے ساتھ سنبھالا اور ادارے کی ترقی میں اپنا بڑا حصہ ڈالا۔

جامعہ ڈابھیل میں بہ حیثیت مہتمم

مولانا احمد بزرگ رحمۃ اللہ علیہ جامعہ کے نظام کو بہت قاعدے سے سنبھال رہے تھے اور انہیں کے دور میں یہ ادارہ ایک عام سے مدرسے سے دار العلوم کی صورت میں ڈھلا تھا، لیکن پھر اختلاف کی آندھی کچھ ایسی چلی اور صرصرِ مخالفت نے وہ رقص دکھایا کہ مولانا محمد بزرگ صاحب کو مستعفی ہونا پڑا۔ 1361ھ میں انہوں نے ڈابھیل سے علحدگی اختیار کر لی۔ اس موقع پر ذمہ داروں نے اس بڑے خلا کے لیے مفتی صاحب کو منتخب کیا اور انہوں نے مسلسل دس سال جامعہ ڈابھیل کی خدمت کچھ اس شان سے کی کہ ان کے اہتمام میں جامعہ کا نظام کافی مستحکم ہوا اور اس کا دائرہ شہرت مزید در مزید وسیع۔ ان کے دور اہتمام میں علامہ شبیر احمد عثمانی تین سال تک شیخ الحدیث کے منصب پر فائز رہے۔ علامہ ابراہیم بلیاوی دار العلوم دیوبند سے مستعفی ہو کر جامعہ ڈابھیل تشریف لے گئے۔ علامہ شمس الحق افغانی نے بھی یہاں تدریسی سرگرمیاں انجام دیں۔ علامہ یوسف بنوری نے بھی ان کی دعوت پر وہاں دوبارہ تشریف آوری فرمائی اور مسند درس کو چار چاند لگا دیے۔

مولانا قاضی اطہر مبارک پوری نے بھی ان کے دور میں پڑھایا۔ رجال الہند والسند کی تصنیف اسی زمانے میں شروع ہوئی۔ مفتی صاحب کا دور اہتمام کافی ترقیوں سے معمور رہا۔ طلبہ کا رجوع بڑھتا گیا۔ ادارے کی مقبولیت برق رفتار ہوتی گئی۔ اہتمام کے آخری دور میں ان پر اعتراضات کی بوچھاڑ ہوئی۔ اختیارات بھی حد درجہ محدود کر دیے گیے۔ بہ ایں ہمہ صورت حال ادارے کی ترقی کے لیے وہ کر بھی کیا سکتے تھے۔ لامحالہ استعفیٰ پیش کر دیا۔ بعد میں پھر انہیں اہتمام کی طرف واپسی کے لیے اصرار کیا گیا۔ بڑے بڑے علما سے سفارش کرائی گئی۔ حتیٰ کہ حضرت مولانا حسین احمد مدنی نے بھی سفارش کا خط لکھا۔ مفتی صاحب نے شرطیں لگا دیں، ان میں سے کچھ مانی نہیں گئیں، لہذا ان کا استعفی جوں کا توں برقرار رہا۔ مفتی صاحب کا دور اہتمام گیارہ سال پر محیط ہے۔ 1361ھ سے 1370 تک اس منصب پر فائز رہے۔ ان ایام میں 351 طلبہ نے فراغت پائی۔

جامعہ ڈابھیل میں تدریس

مفتی صاحب 1354 تھے 1378 تک جامعہ ڈابھیل سے منسلک رہے۔ اس دوران متعدد ذمہ

داریاں نبھائیں۔ تدریس میں کنز الدقائق، نور الانوار، ہدایہ، سراجی، جلالین وغیرہ کتابیں زیر درس رہیں۔ تقسیم ملک کے بعد انہوں نے دورۂ حدیث کی کتابیں بھی پڑھائیں۔ ان کے پڑھانے کا انداز بڑا ہی مؤثر تھا۔ ان کے تلامذہ ان کی بڑی تعریف کرتے ہیں۔

فتاویٰ نویسی کی مثالی خدمات

مفتی صاحب کو جس چیز نے سب سے زیادہ متعارف کرایا وہ ان کی فتوی نویسی ہے۔ اسی فقاہت، فقہی بصیرت، وسعت مطالعہ، استحضار و ذہانت، استنباطی ملکہ، نصوص سے استدلال کرنے کے آہنگ نے انہیں صف علما میں امتیازی مقام دلایا۔ شریعت کا منشا جاننے میں انہیں مہارت تامہ حاصل رہی۔ اسی وصفِ ممتاز کی بنا پر انہیں برما میں بھی مفتیٔ اعظم کا خطاب ملا تھا اور گجرات میں بھی انہیں مفتی اعظم کہا گیا۔ رنگون کے جس دار الافتا میں ان کی خدمات نو سالوں تک چلیں، اس کا قیام مولانا حکیم محمد ابراہیم صاحب کے ذریعے 1918 میں عمل میں آیا تھا۔ مفتی صاحب 1926 میں اس دار الافتا سے منسلک ہوئے اور 1935 تک مسلسل اپنے فتووں سے قوم وملت کی دینی رہنمائی کرتے رہے۔ ان کے کل گیارہ رجسٹر ہیں، جن میں 2227 فتوے درج ہیں۔ 1356ھ مطابق 1936 میں جامعہ ڈابھیل میں بطور مفتی تقرر ہوا اور 24 / برسوں تک لگاتار فتوے لکھتے رہے۔ جامعہ ڈابھیل میں لکھے گئے فتووں کی تعداد 25000 سے بھی متجاوز ہے۔ گجرات سے سید عظیم الدین منادی ''مسلم گجرات'' کے نام سے ایک ہفت واری اخبار نکالتے تھے۔ مفتی صاحب نے اس کے لیے بھی فتوے لکھے، جن کی تعداد 4000 کو پہونچتی ہے۔ مفتی صاحب نے اس اخبار کے دوسرے سال سے فتویٰ لکھنا شروع کیا تھا، جو 8 / مئی 1936 سے ایک مستقل کالم کی شکل میں جاری ہوا اور 23 / برسوں تک پابندی سے ہر شمارے میں چھپتا رہا۔ اخبار کے یہ فتوے پانچ ضخیم جلدوں میں سید عظیم الدین منادی کی ترتیب سے چھپ چکے ہیں، جنہیں فتاویٰ سنگرہ کا نام دیا گیا۔ سنگرہ گجراتی زبان میں ''مجموعہ'' کو کہتے ہیں۔ اب ان کے تمام فتوے بہ لباس اردو لائے جارہے ہیں، جن میں فتاویٰ سنگرہ بھی شامل ہے۔ توقع ہے کہ یہ فتوے تیرہ چودہ جلدوں میں شائع ہوں گے۔ تاریخ دار العلوم دیوبند میں لکھا ہے کہ گجرات میں ان کی ذات مرجع خلائق تھی۔ گجرات کے نہ صرف عوام بلکہ علماء میں بھی آپ کے فتاوی کو قدر ومنزلت حاصل تھی۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ بھی مفتی صاحب کے فتووں پر اعتماد فرما چکے تھے۔ ایک موقع پر ان کا تحریر کردہ فتوی دیکھ کر فرمایا تھا کہ اس آدمی کے فتاوی سے تفقہ کی بو آرہی ہے۔

مفتی صاحبؒ کا وصال

قانونِ فطرت کے مطابق انہیں بھی ایک دن موت کا جام پینا تھا، سو ان کے پینے کا وقت جلد ہی آ گیا۔ مفتی صاحب دل کے مریض تھے۔ دل کا دورہ کئی بار پہلے بھی پڑ چکا تھا اور وہی ایک دن جان لیوا ثابت ہوا۔ جمعرات کو حسب معمول جامعہ میں گئے۔ فتوے لکھے۔ جمعہ کی نماز مسجد میں ادا کی۔ شام ڈھلتے ڈھلتے ان کی زندگی کا سورج بھی مغرب کو جانے لگا۔ عصر و مغرب اپنے گھر پر ادا کی۔ عشا کی نماز سے پہلے طبیعت حد سے زیادہ بگڑ گئی اور رات گیارہ بجے انہوں نے آخری ہچکی لی۔ یہ شوال 1378ھ کی 16 / تاریخ تھی۔ مطابق 24 / اپریل 1959۔ تدفین ڈابھیل میں تالاب کے کنارے پر واقع قبرستان میں عمل میں آئی۔ اس شہرِ خموشاں میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے مرید مولانا سراج احمد رشیدی سابق استاذ جامعہ ڈابھیل مدفون ہیں۔ مفتی صاحب کی وصیت کے مطابق انہیں رشیدی صاحب کے پہلو میں دفن کر دیا گیا۔

مفتی صاحب کو اللہ نے اولاد بھی خوب دی۔ نو بیٹے اور ایک لڑکی۔ صرف تین لڑکوں نے بڑی عمر پائی، جن میں مولانا عبد الحئ صاحب، حافظ داؤد صاحب اور حافظ عمر صاحب ہیں۔ مولانا عبد الحی صاحب نامور عالم ہوئے اور انہوں نے اپنے والد کی خوب جانشینی کی۔ جامعہ ڈابھیل کے موجودہ صدر مفتی مولانا عباس بسم اللہ صاحب اور جامعہ کفلیتہ کے بانی و مہتمم مولانا اسماعیل بسم اللہ صاحب حافظ داؤد صاحب کے فرزند ہیں۔

فروعی اختلافات
اور سلفِ صالحین کا منہجِ اختلاف

مولانا محمد نعمان خلیل

اسلامی معاشرے میں فقہی وفروعی اختلاف امرِ واقعی ہے، بلکہ امت کے لیے مفید اور باعثِ رحمت ہے۔ مسائلِ فقہیہ اور دیگر فروعی مسائل میں اختلاف کا ثبوت، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانے سے ہے۔ تابعین اور تبع تابعین بھی بعض مسائل میں باہم اختلافِ رائے رکھتے تھے، انہوں نے اس اختلاف کو دین کی رحمت، وسعت اور امت کے لیے آسانی کے طور پر سمجھا، مختلف زمانوں میں کئی اہل علم نے ان مسائل میں اختلاف ختم کر کے امت کو ایک مسئلہ پر جمع کرنے کی کوشش کی، مگر جمہور علماء سلف اس بات پر راضی نہ ہوئے، کیوں کہ اختلاف ایک فطری چیز ہے، اسی طرح ذہنی سطح اور استعداد وصلاحیت کا تفاوت بھی مسلّم ہے۔ حضرت شیخ محمد عوامہ حفظہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

"السعي في توحيد المذاهب، وحمل الناس على واحد منها، جنون أو ضلال."

ترجمہ: ”فقہی مسالک اور فروعی مذاہب کو ایک بنانے اور تمام مسلمانوں کو اس ایک پر جمع کرنے کی کوشش حماقت یا راہِ حق سے روگردانی ہے۔“ (أدب الاختلاف في مسائل العلم والدين، ص:۲۷، دار الیسر)

اسی سلسلہ میں ایک شخص نے خلیفہ راشد حضرت سیدنا عمر بن عبد العزیز (۱۰۲ھ) رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا:

'لو جمعت الناس على شيء؟ فقال: ما يسرني أنهم لم يختلفوا، قال: ثم كتب إلى الآفاق وإلى الأمصار: ليقض كل قوم بما اجتمع عليه فقهاؤهم."

ترجمہ: ”اگر آپ تمام لوگوں کو ایک ہی عمل پر جمع کر دیں (تو زیادہ بہتر ہے)، آپؒ نے فرمایا: ان (فقہاء اور علماء) کے اختلاف نہ کرنے سے مجھے بالکل خوشی نہیں ہوتی (بلکہ ان کے اختلاف سے خوشی ہوتی ہے)۔ بعد ازاں آپؒ نے اپنے ماتحت تمام شہروں میں لکھ بھیجا کہ ہر علاقے کے لوگ اسی مسئلہ پر عمل

کریں، جس پر وہاں کے فقہاء متفق ہوں۔'' (سنن الدارمي، باب اختلاف الفقهاء، الرقم: ۶۵۲، ۱/ ۴۸۹، دار المغني للنشر والتوزيع، المملكة العربية السعودية، ط: الأولى، ۱۴۱۲ھ)

امام دار الہجرۃ حضرت سیدنا امام مالک (۱۷۹ھ) رحمۃ اللہ علیہ نے جب اپنی شہرہ آفاق اور حدیث مبارک کی مقبول ترین کتاب ''الموطا'' مکمل فرمائی، تو اس کا شہرہ ہر جگہ ہونے لگا، خلیفۂ وقت (ابوجعفر منصور) نے حج کے سفر کے دوران ان سے ملاقات کر کے یہ درخواست کی: ''ہم چاہتے ہیں آپ کی کتاب کے نسخے لکھوا کر تمام بلادِ اسلامیہ میں پھیلا دیں، تا کہ ہر جگہ اسی کے مطابق فیصلہ کیا جائے۔'' آپؒ نے دور اندیشی پر مبنی بصیرت افروز جواب ارشاد فرمایا:

''ایسا ہرگز مت کیجیے! ہر علاقے میں ہم سے پہلے علم پہنچ چکا ہے، انہیں اسی کے مطابق عمل کرنے دیں جو انہوں نے اپنے لیے پسند کیا ہے، کیوں کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے اکثر مدینہ منورہ سے نکل کر مختلف شہروں میں جا بسے تھے، کوفہ، بصرہ اور شام ان تمام علاقوں میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی کثیر تعداد اور ان کے ساتھ ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا علمی ورثہ پہنچ چکا ہے۔'' (ملخص من الانتقاء في فضائل الأئمة الثلاثة الفقهاء لابن عبد البرؒ (۴۶۳ھ)، باب في رئاسته، ووجاهته في علم الدين عند العامة والسلاطين، ص: ۸۰، المكتبة الغفورية العاصمة كراتشي، باكستان)

حضرت سیدنا عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کا فقہی اختلاف پر خوشی کا اظہار اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی یہ وسعتِ نظری اسی بات کا نتیجہ تھی کہ انہیں مزاجِ نبوت سے شناسائی تھی۔ وہ اسبابِ اختلاف اور مقاصدِ اختلاف سے واقف تھے اور انہیں فروعی مسائل میں اختلاف کے رحمت ہونے کا یقین تھا، یہ تاریخی حقیقت ہے کہ جب بھی کسی نے اتحادِ مسالک کی کوشش کی، اس سے نہ صرف ایک اور مسلک وجود میں آیا، بلکہ عموماً وہ فتنہ کا باعث اور امتِ مسلمہ میں انتشار کا سبب بنا ہے۔

الغرض ائمہ اُمت کئی اصولی وکلامی بنیادوں میں اتفاق کے باوجود فروعی اختلاف میں وسیع پھیلاؤ رکھتے ہیں۔

فقہاء اسلام کی اختلافی آراء کی بدولت آج بھی اسلامی تعلیمات کی افادیت اور اس میں پنہاں راہنمائی کا عنصر آباد وشاداب ہے اور قیامت تک باقی رہے گا (ان شاء اللہ تعالیٰ) یہ علمی آراء عقلی اور ذہنی شعور کی بڑھوتری کا ذریعہ ہیں۔ نصوصِ شرعیہ کی متنوع علمی جولانیاں، قرآن کریم اور سنتِ رسول (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کا ہمہ جہتی مطالعہ اور زندگی کے تمام شعبوں کے لیے ان مصادر کی افادیت و جامعیت اسی نظریۂ اختلاف کی دَین ہے۔

لیکن آراء کا یہ علمی اختلاف ان علمائے عظام اور ائمہ سلف کے اخلاق و کردار اور باہمی ربط و تعلق میں بگاڑ کا سبب تھا، نہ ہی اس کو بنیاد بنا کر وہ ایک دوسرے کی تحقیر و تنقیص کرتے تھے، کیوں کہ انہیں معلوم تھا کہ اجتہادی مسائل میں اختلاف، نفرت و بغض کا سبب نہیں ہوسکتا اور نہ ہی یہ حق و باطل کا معیار ہے، تاریخی روایات میں اگرچہ اختلاف کی وجہ سے جدل وجدال کے کچھ واقعات منقول ہیں، لیکن ان واقعات کی شرح فیصد اخلاقی اقدار کے مقابلے میں انتہائی کم ہے، لیکن تفرق پسندی کے نتیجہ میں جدلی واقعات کی شہرت زیادہ ہوگئی۔

اس موقع پر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ بیان کرنا انتہائی موزوں معلوم ہوتا ہے، علامہ ذہبی (۷۴۸ھ) رحمۃ اللہ علیہ ''سیر أعلام النبلاء'' میں نقل فرماتے ہیں:

"قال يونس الصدفي: ما رأيت أعقل من الشافعي، ناظرته يومًا في مسألة، ثم افترقنا، ولقيني، فأخذ بيدي، ثم قال: يا أبا موسى، ألا يستقيم أن نكون إخوانًا وإن لم نتفق في مسألة؟" (سير أعلام النبلاء للذهبي: ۱۰:۱۱، مؤسسة الرسالة)

ترجمہ: ''حضرت یونس صدفی رحمۃ اللہ علیہ (یہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد اور ہم عصر تھے) فرماتے ہیں: میں نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے بڑھ کر کسی کو عقل مند نہیں دیکھا، ایک دن ہمارا کسی مسئلہ میں مناظرہ ہوا، (جس پر اتفاق نہیں ہوسکا) اور ہم جدا ہو گئے، پھر وہ (بعد میں) مجھ سے ملے، میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: اے ابوموسیٰ! کیا یہ رویہ درست نہیں کہ ہم بھائی بھائی ہو جائیں، اگرچہ ہمارا مسائل میں اختلاف ہو۔''

یہ سلف صالحین کا عملی نمونہ ہے، جو فروعی اختلاف اور معاشرتی بھائی چارگی کا حسین امتزاج ہے، موجودہ علمی ماحول، فقہی مسائل اور عام خاندانی اور معاشرتی زندگی میں اس جذبہ کی بہت ضرورت ہے کہ مسائل میں اختلاف تفرق، انتشار، ذہنی کڑھن اور بددلی و بدگمانی کا باعث نہیں ہونا چاہیے۔ یہ ماحول پیدا کرنے کے لیے مستقل ایک فکر، محنت اور دعوت کی ضرورت ہے۔

اس طرح کے اور کئی واقعات ذخیرۂ تاریخ کا اوجھل حصہ ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے ان فروعی اختلاف میں ایک دوسرے کی عزت و احترام کا پاس رکھنا اور مدِمقابل کو خود سے برتر سمجھ کر، ان کے مقام و مرتبہ کا اعتراف کرنا، سلفِ صالحین کا شیوہ تھا۔ موجودہ پرفتن، ذہنی انتشار، دلی بیزاری، خود پسندی اور اعجاب بالرأی کے دور میں آدابِ اختلاف اور مقاصدِ اختلاف کو سمجھنا انتہائی ضروری ہے، ورنہ یہ بیماریاں دین بیزاری، سلف سے لاتعلقی اور اپنی سندوں سے کاٹنے کا سامان فراہم کر چکی ہیں اور متوارث دینی بنیادوں کی جڑیں متزلزل کرنے کو ہیں۔

فروعی مسائل کے اختلاف میں افراط وتفریط

فروعی مسائل کے اختلاف میں علمی اور عملی دونوں میدانوں میں افراط اور تفریط پائی جاتی ہے:

افراط اس طرح کہ ان مسائل کو حق و باطل کا معیار اور اسلام و کفر کی سرحد بنا کر پیش کیا جانے لگا ہے، بعض حضرات اس کا برملا اظہار بھی کرتے ہیں، جبکہ کچھ لوگ اظہار تو نہیں کرتے ،لیکن ان کا طرزِ عمل اور رویہ اسی بات کی غمازی کرتا ہے، جو طعن و تشنیع ، گالم گلوچ، تحقیر و تنقیص اور بُرے القابات کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ یہ طرزِ عمل اور فاسد فکر، اسبابِ اختلاف، آدابِ اختلاف نہ پہنچاننے کی وجہ سے جنم لیتی ہے۔

تفریط یہ ہے کہ فروعی مسائل میں اختلاف کو ہی غلط سمجھنا اور یہ کہنا کہ یہ صرف علماء کی اپنی کارستانیاں ہیں اور پوری اُمت کو ایک مسئلہ پر جمع ہو جانا چاہیے، ایسے لوگ اس طرح کے اختلاف کو ہی ختم کر دینے کے داعی ہیں، جس کے لیے قرآن کریم کی تفرقہ والی آیات کا سہارا لیتے ہیں، جبکہ اختلافات کا خاتمہ عقل کے بھی خلاف ہے اور مزاجِ شریعت کے بھی منافی ہے۔ ایسے حضرات تاریخِ اختلاف اور مقاصدِ اختلاف سے ناواقف ہیں۔

علمائے کرام نے امت کو ان دونوں غلط افکار سے بچانے کی مختلف سطح پر کاوشیں کی ہیں۔ اسبابِ اختلاف کے حوالہ سے شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ کا رسالہ ''اختلاف الائمہ'' اور اسباب اور آدابِ اختلاف سمجھنے کے لیے شیخ عوامہ حفظہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ''أدب الاختلاف في مسائل العلم والدين'' بہتر انتخاب ہو سکتا ہے۔

فروعی اختلاف میں مثالی طرزِ عمل

فروعی اختلاف کے حوالہ سے مثالی طرزِ عمل، علمی اور نظریاتی طرزِ فکر یہ ہونا چاہیے:

اختلاف کو رحمت سمجھا جائے، کیوں کہ اس سے نصوص کی ہمہ جہتی معلوم ہوتی ہے، ایک ہی بات کے مختلف اور متعدد پہلو سامنے آتے ہیں، جس سے فہم و بصیرت کو جلا ملتی ہے، عقلیں روشن اور بصیرت میں اضافہ ہوتا ہے۔

اختلاف کرنے کا اہل کون ہے؟ کس کا اختلاف قابلِ غور ہو سکتا ہے؟ اس کا سمجھنا انتہائی ضروری ہے، جو جس فن کے ماہر ہوتے ہیں، وہی لوگ اس فن میں اختلاف کرنے کے اہل ہوتے ہیں، جو شخص اس میدان کا نہیں، اسے اختلاف سے خود کو بچانا چاہیے۔

اختلاف اصلاحِ امت کا ذریعہ ہونا چاہیے، نا کہ امتِ مسلمہ میں تفرقہ بازی اور فتنہ انگیزی مقصود ہو۔

اختلاف میں مدِ مقابل کے علمی مقام و مرتبہ کا لحاظ رکھا جائے، جو گفتگو سے بھی نظر آئے اور طرزِ عمل سے بھی۔

اختلاف حسد، کینہ اور بغض و عناد کی آمیزش سے پاک ہونا چاہیے۔

اختلاف میں جو بات درست لگے، دلائل کی بنیاد پر ٹھوس انداز میں بیان کر دینی چاہیے، تاہم بعد ازاں اس پر اصرار نہیں کرنا چاہیے کہ پوری امت اسی بات کو تسلیم کرے۔

اختلاف ان مسائل میں کرنا چاہیے جن مسائل میں شریعت کی طرف سے گنجائش رکھی گئی ہے، جن پر اجماع ہو چکا ہو یا جو امور نصوص سے ثابت ہیں، ان میں اختلاف ضلال، گمراہی اور فتنہ ہے۔

اختلاف سے پہلے اسبابِ اختلاف، مقاصدِ اختلاف اور آدابِ اختلاف کو اچھی طرح پڑھ اور سمجھ لینا چاہیے۔ آدابِ اختلاف کی عملی تربیت کے لیے معتدل علماء کرام کی مجالس اختیار کرنی چاہئیں اور سلف صالحین کے واقعات کا مطالعہ کرتے رہنا چاہیے۔

سلف صالحین کے علمی خطوط کی اہمیت

ذخیرۂ تاریخ میں سلفِ صالحین اور ائمہ متبوعین کے آپس کے ایسے مکالمات اور خطوط موجود ہیں، جن میں مفید علمی مباحث، دقیق علمی وفنی نکات، اہم بنیادی اصول، مناہجِ استدلال، فوائدِ جلیلہ اور ادبی شہ پاروں کے ساتھ ساتھ ایک دوسرے کے متعلق محبت بھرے القابات، خیر خواہانہ جذبات، مدِ مقابل کے علمی قد و کاٹھ کا کھلے دل سے اعتراف اور دوسرے کے مقام و مرتبہ کی رعایت کے بہترین مناظر جھلکتے ہیں، جن سے آدابِ اختلاف، اسبابِ اختلاف اور اصولِ اختلاف سمجھے جا سکتے ہیں۔ عالمِ عرب کے مشہور محقق و محدث، شیخ المشایخ حضرۃ الشیخ عبد الفتاح ابو غدہ رحمۃ اللہ علیہ نے ائمہ سلف میں سے امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ (۱۵۰ھ) کا مکتوب بنام فقیہ بصرہ امام عثمان البتی (۱۴۳ھ) اور امام دار الہجرۃ مالک بن انس (۱۷۹ھ) اور فقیہ مصر لیث بن سعد (۱۷۵ھ) کے آپس کے مکاتیب کو تحقیق کے ساتھ مرتب کر کے ایک رسالہ کی صورت میں شائع کیا ہے، جس کا نام "نماذج من رسائل الأئمة السلف وأدبهم العلمي" ہے، جو آدابِ اختلاف اور اسبابِ اختلاف کے باب میں سلفِ صالحین کا منہج جاننے کے لیے ایک قیمتی خزینہ ہے۔ ان مکاتیب کا اردو ترجمہ بھی ہو چکا ہے، اللہ تعالیٰ جلد منصۂ شہود پر لانے کی توفیق نصیب فرمائیں۔

……◆……

خلع کی حقیقت

اور بعض ضروری وضاحتیں

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

ابھی چند دنوں پہلے مؤرخہ: 24/جون 2025ء کو تلنگانہ ہائی کورٹ نے محمد عارف علی بنام سیدہ افسر النساء کے مقدمہ میں خلع سے متعلق ایک فیصلہ دیا ہے، یہ جسٹس موسمی بھٹا چاریہ اور جسٹس بی آر مدھوسودن راؤ پر مشتمل دورکنی بینچ کا فیصلہ ہے، عدالت نے اپنے خیال کے مطابق مظلوم خواتین کو آسانی پہنچانے کی کوشش کی ہے؛لیکن عدالتوں کی معلومات چوں کہ شرعی معاملات میں ثانوی اور بالواسطہ ہوتی ہیں؛ اس لئے اس کی وضاحت میں کئی جگہ چوک ہوئی ہے، اس فیصلہ سے بنیادی طور پر جو بات واضح ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ خلع پوری طرح بیوی کے اختیار میں ہے، جیسے شوہر طلاق دے سکتا ہے، اسی طرح بیوی اپنے شوہر کو خلع دے سکتی ہے، نہ یہ کسی وجہ پر موقوف ہے، نہ شوہر کی منظوری پر، اس بنیاد پر خلع کو بلا شرکتِ غیر بیوی کا حق مانا گیا ہے، اور یہ بھی کہ خلع میں شوہر کی طرف سے معاوضہ کا مطالبہ صحیح نہیں ہے۔

اس سلسلہ میں تین باتیں اہم ہیں: اول یہ کہ کیا شریعت میں خلع تنہا عورت کا فیصلہ ہے یا شوہر اور بیوی کی باہمی صلح اور مفاہمت پر مبنی عمل ہے؟ دوسرے: خلع میں عورت کی طرف سے کسی عوض کے ادا کرنے کی کیا حیثیت ہے؟ تیسرے: اگر خلع تنہا بیوی کے اختیار میں نہیں ہے تو ان خواتین کی مشکلات کا حل کیا ہے، جن کے شوہران کا حق ادا نہیں کرتے اور باوجود مطالبہ کے طلاق بھی نہیں دیتے؟ اس سلسلہ میں نکاح اور اس کے بعد علیحدگی کے سلسلہ میں اسلام کے پورے تصور کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ شریعت میں بحیثیت مجموعی علیحدگی کی چھ صورتیں ہیں: طلاق، خلع، متارکہ، لعان، ایلاء اور فسخ نکاح، یہ چھ صورتیں مختلف نوعیتوں کے اعتبار سے ہیں، ورنہ تو بنیادی طور پر علیحدگی کی دو ہی صورتیں ہیں، ایک: طلاق، دوسرے: فسخ نکاح، نکاح کبھی قاضی کے ذریعہ فسخ ہوتا ہے اور کبھی مانع نکاح کے پیدا ہوجانے کی وجہ سے ازخود فسخ ہوجاتا ہے، طلاق کی متعدد شکلوں میں سے ایک خلع ہے، خلع میں دو باتیں وہ ہیں، جو اِس کو علیحدگی کی دوسری شکلوں سے

ممتاز کرتی ہیں، ایک یہ کہ اس میں شوہر ہی طلاق دیتا ہے؛ لیکن دونوں فریق کی رضامندی شامل ہوتی ہے، دوسرے: بیوی طلاق کے عوض یا تو کوئی مال ادا کرتی ہے یا اپنے کسی مالی حق سے دستبردار ہوتی ہے۔(البنایہ شرح الہدایہ:٥/٥٠٧، کتاب الطلاق، باب الخلع) اُصولی طور پر اس کے درست ہونے پر فقہاء کا اتفاق ہے۔

اس سلسلہ میں سورۂ بقرہ کی آیت نمبر:٢٢٩/ بہت واضح ہے:''طلاق دومرتبہ ہے، پھر یا تو بھلے طریقہ پر روک رکھنا ہے، یا بہتر طریقہ پر چھوڑ دینا ہے'' اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے طلاق کے احکام واضح فرما دیئے ہیں، اور نکاح کن حالات میں فسخ کیا جائے اس کی طرف بھی اشارہ کر دیا گیا ہے، طلاق کا حکم یہ بیان کیا گیا ہے کہ طلاق ایک یا دو دفعہ ہی دینا چاہئے؛ کیوں کہ اس صورت میں گزشتہ نکاح کو باقی رکھنا ممکن ہے، اور دونوں کے لئے غور وفکر کا موقع باقی رہتا ہے، اگر کوئی مرد تیسری طلاق دے دے تو پھر دوبارہ رشتہ نکاح استوار کرنے کا موقع نہیں ہے، سوائے اس کے کہ اتفاق سے عورت کا دوسرا نکاح ہوا، اور سوئے اتفاق اس دوسرے شوہر سے بھی اس کا رشتہ قائم نہیں رہ سکا، تو اب وہ دونوں دوبارہ نکاح کر سکتے ہیں، آگے قرآن مجید نے کہا ہے:''تمہارے یعنی مردوں کے لئے یہ بات جائز نہیں کہ جو کچھ تم ان کو دے چکے ہو، ان میں سے کچھ لے لو، سوائے اس کے کہ دونوں کو خوف ہو کہ وہ اللہ کی حدوں کو قائم نہیں رکھ سکیں گے، (یعنی مزاج میں موافقت قائم نہیں رہ سکے گی اور اندیشہ ہو کہ شریعت نے شوہر و بیوی کے ایک دوسرے پر جو حقوق رکھے ہیں، وہ ادا نہیں کر سکے گا) تو اُن دونوں پر اس بات میں کوئی حرج نہیں کہ عورت فدیہ ادا کر دے، (یعنی کچھ دے کر اپنے آپ کو رشتہ نکاح سے آزاد کر لے) اور جو اللہ تعالیٰ کی حدوں سے تجاوز کریں گے، وہی ہیں ظلم کرنے والے۔''

اس آیت میں خلع کا حکم آیا ہے اور خلع کے سلسلہ میں تین احکام دیئے گئے ہیں، اول یہ کہ خلع کا تعلق شوہر اور بیوی کے آپسی معاہدہ سے ہے، اگر یہ دونوں محسوس کریں کہ وہ نکاح کے تقاضوں کو پورا نہیں کر سکیں گے تو وہ خلع کے ذریعہ علیحدگی کا فیصلہ کر سکتے ہیں؛ اس لئے اس میں شوہر اور بیوی دونوں سے متعلق کہا گیا ہے''اگر وہ محسوس کریں کہ وہ اللہ کی حدود کو قائم نہیں رکھ سکیں گے تو اُن کے الگ ہو جانے میں کوئی حرج نہیں ہے'' دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ جیسے شوہر کے لئے کسی معقول سبب کے بغیر طلاق دینا درست نہیں ہے اور یہ گناہ ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو مبغوض حرکت قرار دیا ہے، طلاق اسی وقت دینی چاہئے ، جب اس کی کوئی معقول وجہ ہو، اسی طرح عورت کا بھی کسی مناسب سبب کے بغیر خلع کا مطالبہ کرنا درست نہیں ہے؛ بلکہ خلع ایسی صورت حال میں ہونا چاہئے جب زوجین کو اندیشہ ہو کہ وہ ایک دوسرے کے حقوق کو

صحیح طور پر ادا نہیں کر سکیں گے، تیسری بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ باہمی رضامندی سے علیحدگی کی ایک صورت تو یہ ہے کہ شوہر کی طرف سے کسی عوض کا مطالبہ نہیں ہو، یہ بھی جائز ہے، فقہی اعتبار سے یہ علیحدگی طلاق کہلائے گی، اور باہمی رضامندی سے علیحدگی کی دوسری صورت یہ ہے کہ شوہر طلاق کا معاوضہ چاہتا ہو، اور بیوی اس کو قبول کر لے، جیسے مہر باقی ہو اور شوہر کہے کہ مہر معاف کر دیا جائے، یا نفقہ کی کچھ رقم اس کے ذمہ باقی ہو اور وہ اس کی معافی چاہتا ہو، یا نکاح کے وقت شوہر نے بیوی کو زیور دیا ہو اور وہ اس کی واپسی کا طلبگار ہو، یا مالی مطالبہ کی کوئی اور صورت ہو، یہ تمام صورتیں خلع کہلائیں گی، جس کو اس آیت میں ''افتدت بہ'' (کچھ دے کر قیدِ نکاح سے آزاد کرے) کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے، اس کی بھی گنجائش ہے؛ لیکن بہر حال شوہر کی طرف سے طلاق کا عوض طلب کرنا اچھا عمل نہیں ہے؛ چنانچہ ایک اور موقع پر قرآن نے کہا ہے'' اگر تم نے اپنی بیوی کو بے شمار مال دے دیا ہے تب بھی تم اس میں سے کسی چیز کی واپسی کا مطالبہ نہیں کرو؛ بلکہ قرآن نے اس کو کھلا ہوا گناہ ''اثم مبین'' قرار دیا ہے، (نساء:۲۰)

اور شوہر کو نہایت مؤثر نصیحت کی گئی ہے کہ تم ایک دوسرے سے فائدہ اٹھا چکے ہو اور نکاح کی صورت میں بیوی سے مؤکد وعدہ کر چکے ہو، اس کے بعد کیا تم کو یہ بات زیب دیتی ہے کہ تم اپنی دی ہوئی کسی چیز کی واپسی کا مطالبہ کرو؟ (دیکھئے: نساء، آیت نمبر:۲۱)

اس سے معلوم ہوا کہ خلع عوض کے ساتھ بھی ہو سکتا ہے، اس سلسلہ میں فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر خلع کی وجہ شوہر کی زیادتی ہو تو بیوی سے کسی عوض کا مطالبہ مکروہ تحریمی یعنی قریب بہ حرام ہے اور اگر عورت کی زیادتی کی وجہ سے یہ نوبت آئی ہو تب بھی شوہر کو جو مہر اس نے ادا کیا ہے، اس سے زیادہ کا مطالبہ کرنا مکروہ تحریمی ہے، مشہور فقیہ علامہ سمرقندی نے اسے بہت واضح طور پر لکھا ہے:

''اگر شوہر کی طرف سے زیادتی ہو تو اس کے لئے جائز نہیں کہ اس میں سے بیوی سے وصول کرے اور اگر زیادتی بیوی کی طرف سے ہو تو اس کے لئے اس حد تک لینا جائز ہے، جو اس نے بیوی کو دیا تھا، یعنی مہر کی مقدار اور مرد کے لئے اس سے زیادہ لینا جائز نہیں، یہی ظاہر روایت ہے۔

(تحفۃ الفقہاء، باب الخلع:۲/۲۰۰)

عوض کی بنیاد پر علیحدگی کی ایک اور صورت بھی ہے، جس کو اصطلاح میں ''مبارأت'' کہتے ہیں، یعنی شوہر و بیوی کی باہمی رضامندی سے طلاق ہو جائے اور دونوں طے کر لیں کہ ایک دوسرے پر اُن کے جو حقوق اور بقایا ہیں، وہ اس سے بری ہو جائیں گے، اگر بیوی کا شوہر کے ذمہ کچھ باقی ہو تو شوہر بری ہو جائے گا اور شوہر کا بیوی کے ذمہ کچھ باقی ہو تو بیوی بری ہو جائے گی، اسلام سے پہلے باہمی معاہدہ کے ساتھ

رشتۂ نکاح کو ختم کرنے کا یہ بھی ایک طریقہ تھا، اور اسلام نے اس کو کو باقی رکھا، یہ بھی اپنے مقصد کے اعتبار سے خلع ہی کی ایک صورت ہے، حاصل یہ ہے کہ اگر شوہر و بیوی کے درمیان ناموافقت پیدا ہو جائے اور دونوں مل کر طے کریں کہ بیوی اپنے بعض حقوق معاف کر دے گی، یا شوہر کو کچھ دے دے اور شوہر اس کو طلاق دے دے تو اس کی گنجائش ہے۔

لیکن سوال یہ ہے کہ بعض اوقات شوہر طلاق دینے کو تیار نہیں ہوتا، اسبابِ فسخ یا تو موجود نہیں ہوتے یا بیوی اس کو ثابت کرنے کے موقف میں نہیں ہوتی، اس کے نتیجہ میں سخت اختلاف اور نفرت کا ماحول پیدا ہو جاتا ہے، رشتۂ نکاح باقی رہتا ہے؛ لیکن نکاح کے مقاصد فوت ہو جاتے ہیں، ایسی صورت میں مسئلہ کو حل کرنے کے لئے کیا تدبیر اختیار کی جاسکتی ہے؟ اس سلسلہ میں اوپر سورہ بقرہ آیت نمبر ۲۲۰ ر کے ضمن میں یہ اشارہ ملتا ہے کہ بیوی کو زور زبردستی کے ساتھ روک کر رکھنا اور اس پر ظلم و زیادتی کرنا جائز نہیں، قرآن نے ''امساک بالمعروف اور تسریح باحسان'' کہا ہے، یعنی بھلے طریقہ پر رشتہ کو قائم رکھنا یا بہتر طریقہ پر رشتہ کو ختم کر دینا واجب ہے، اگر شوہر ایسا نہیں کرتا ہے تو وہ ظلم کا مرتکب ہے، اور جہاں کوئی شخص دوسرے کے ساتھ ظلم کرے تو قاضی کا کام ہے کہ وہ ظالم کو ظلم کرنے سے روک دے اور مظلوم کو اس سے بچائے، یہ فریضہ شرعی عدالت کا ہے۔

یہی صورت ''فسخ نکاح'' کی ہے، یعنی شوہر سے اجازت لئے بغیر انصاف قائم کرنے اور ناانصافی کو روکنے کے لئے عدالت شوہر و بیوی کے درمیان علیحدگی کا فیصلہ کر دے۔ البتہ فسخ نکاح کے لئے کوئی مناسب سبب اور اس کو ثابت کرنا ضروری ہے، جیسے شوہر بیوی کو مار پیٹ کرتا ہو، یا ایسی بیماری میں مبتلا ہو کہ بیوی کے حقوق ادا نہیں کر پاتا ہو، یا نفقہ نہیں دیتا ہو وغیرہ، دوسری صورت یہ ہے کہ شوہر کی طرف سے ظلم کا ارتکاب نہیں ہو؛ لیکن دونوں کے درمیان بہت زیادہ ناموافقت ہو، ایسی صورتوں میں قرآن مجید نے کہا ہے کہ عدالت دو مناسب افراد کو اُن کے مسائل کو سننے اور ان کے معاملات کو حل کرنے کے لئے حَکَم بنائے، یہ دونوں حضرات اس نتیجہ پر پہونچیں کہ خوش گوار طریقہ پر یہ رشتہ نہیں چل سکتا تو پھر امام مالکؒ کے نزدیک اس رشتہ کو خود حکمین ختم کر سکتے ہیں، جس کے لئے شوہر کی اجازت ضروری نہیں ہے، اس طریقہ کا سورہ نساء: ۳۵ ر میں ذکر آیا ہے، اور اس کی کئی نظیریں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں ملتی ہیں، حضرت ثابت ابن قیسؓ کی بیوی حضرت جمیلہؓ نے بارگاہِ نبوی میں اپنی درخواست پیش کی کہ وہ حضرت ثابتؓ سے علیحدگی چاہتی ہیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صورت حال کا جائزہ لے کر اُن کے درمیان تفریق کر دی؛ البتہ حضرت ثابتؓ نے ان کو اپنی طرف سے ایک باغ دیا تھا، وہ چاہتے تھے کہ اُن کو اُن کا باغ واپس

مل جائے، حضرت جمیلہؓ نے اس کو قبول کر لیا اور باغ واپس کر دیا، (فتح الباری: ۱۰/۵۵، دار قطنی: ۳/۲۵۵، باب المہر، سنن بیہقی، حدیث نمبر: ۷۳۱۴۳، باب الوجہ الذی تحل بہ الفدیہ)

بہر حال اس فیصلہ میں دو باتیں اہم ہیں، اول یہ کہ محترم جج صاحب نے قانون شریعت کا حوالہ دیا تو ہے؛ لیکن قانون شریعت کی ترجمانی میں ان سے غلطی ہوئی ہے، انھوں نے خلع کو پوری طرح بیوی کے اختیار میں دے دیا ہے، یہ بات نہ قرآن میں ہے نہ حدیث میں اور یہ سماجی حکمتوں اور مصلحتوں کے بھی خلاف ہے، اللہ تعالیٰ نے خواتین کی فطرت میں جذباتیت اور جلد متأثر ہونے کی کیفیت رکھی ہے اور یہ کوئی عیب نہیں؛ بلکہ ایک اچھی ماں اور محبت کرنے والی بیوی کے لئے ضروری ہے، جذبات کی فراوانی ہی اس کو اپنی اولاد اور اپنے شوہر کے لئے سب کچھ برداشت کرنے کا حوصلہ دیتی ہے؛ اس لئے اگر عورت کو یک طرفہ طور پر خلع کا اختیار دے دیا جائے تو ازدواجی رشتے کمزور ہو جائیں گے، خاندانی نظام بکھر کر رہ جائے گا، یہ چیز پورے سماج کے لئے نقصان دہ ہوگی، مردوں کے لئے بھی، عورتوں کے لئے بھی اور بچوں کے لئے بھی، اس کے نتیجہ میں مغربی ملکوں میں جو صورت حال ہے، وہ پوری دنیا کے سامنے ہے، مردوں کے اندر جذبات پر کنٹرول کرنے کی اور سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنے کی صلاحیت نسبتاً زیادہ ہے؛ اس لئے اسلام نے اس کو طلاق کا حق دیا ہے اور احتیاط کے ساتھ اس کو استعمال کرنے کی تلقین کی ہے، پھر بھی سماج میں اس حق کا جس طرح غلط استعمال ہو رہا ہے، وہ ہمارے سامنے ہے۔

اگر خواتین کو رشتۂ نکاح کو ختم کرنے کی بلا قید اجازت دے دی جائے تو یہ بے حد نقصان دہ بات ہوگی۔ یہ بات بھی ذہن میں رہنی چاہئے کہ قانون کسی گروہ کے مجموعی مزاج کو سامنے رکھ کر بنایا جاتا ہے، ایسا ہو سکتا ہے کہ بعض خواتین تعلیم، سمجھداری، دینی اور اخلاقی تربیت کی وجہ سے ایسی نہ ہوں کہ اپنے اس حق کا غلط استعمال کریں، اور یقیناً ایسی بہت سی خواتین موجود ہیں؛ لیکن ایسی استثنائی صورتوں پر سماج کے لئے بنائے گئے عمومی قانون کی بنیاد نہیں رکھی جا سکتی۔

دوسرا پہلو علماء کے لئے اہم ہے کہ ایسی مظلوم عورتوں کے لئے خلع کو آسان کیا جائے، کتاب وسنت کی تعلیمات اور فقہاء کی تشریحات کو سامنے رکھ کر خلع کے لئے ایک جامع قانون کا خاکہ مرتب کیا جائے؛ تاکہ خدا ناترس شوہر اپنے حق کو ظلم وزیادتی کا ذریعہ نہ بنائیں اور شریعت کی بدنامی کا سبب نہ بنیں، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے نکاح فسخ کرنے کے اسباب میں فقہ مالکی کی رائے سے استفادہ کرتے ہوئے اسباب فسخ کی رہنمائی کی ہے، جس کو امت کے علماء نے قبول کیا، انھوں نے ۵/ اسباب فسخ پیش کئے، حضرت مولانا عبدالصمد رحمانیؒ --- جو ایک بڑے فقیہ تھے اور ان کو کارِ قضاء کا وسیع تجربہ تھا --- نے اس سلسلہ کو آگے

بڑھاتے ہوئے ۱۴؍اسباب فسخ بیان کئے،اوراس موضوع پر بڑی عمدہ کتاب ’’کتاب الفسخ والتفریق‘‘ کے نام سے لکھی،جس پر آج ہندوستان بھر میں دارالقضاؤں اورمحاکم شرعیہ کا عمل ہے، پھر جب آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے ’’مجموعہ قوانین اسلامی‘‘ مرتب کیا تو اس میں بعض اضافوں کے ساتھ ۱۶؍اسباب فسخ کی نشاندہی کی ہے،ان ساری کوششوں کا مقصد مظلوم عورتوں کی دادرسی ہے۔

اسی سلسلہ کو آگے بڑھاتے ہوئے خلع سے متعلق علماء اور اصحاب افتاء کی طرف سے ایک ایسا مسودہ مرتب ہونا چاہئے، جو عورتوں کو ظلم سے بچانے کا ذریعہ ہوسکے، جو شریعت کے دائرہ میں ہو اور موجودہ سماجی حالات سے ہم آہنگ ہو۔

فی الحال اس کا ایک حل یہ ہے کہ ملک بھر میں وقف بورڈ کے تحت یا آزادانہ طور پر جو نکاح نامے مروج ہیں، ان میں یہ شرط بڑھادی جائے کہ اگر ہم دونوں کے درمیان کوئی اختلاف ہو تو فلاں ادارہ اس میں فیصلہ کرنے کا مجاز ہوگا، چاہے وہ علیحدگی کا فیصلہ ہو اور ہم دونوں اس کے ماننے کے پابند ہوں گے، جس کمیٹی کو حکم بنایا جائے، وہ کسی ذمہ دار اور متفق علیہ ادارہ جیسے ’’آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ‘‘ وغیرہ کی نگرانی میں ہو، اور اس کمیٹی میں ایسے معتبر اصحاب علم ہوں، جو غیر جانب داری کے ساتھ شریعت کے مزاج کو سامنے رکھتے ہوئے فیصلہ کریں، یہی کمیٹی تحکیم کا فریضہ انجام دے اور جن معاملات میں رشتوں میں بہت تلخی پیدا ہوگئی ہو، وہاں بحیثیت حکم خلع کا فیصلہ کرے، اس صورت میں ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ معاملہ کی نوعیت کے اعتبار سے یہ کمیٹی بیوی کے واجبات کو معاف کردے، اور شوہر کی طرف سے طلاق دے دے (راقم الحروف نے اپنی تالیف جدید فقہی مسائل کے چوتھے حصہ میں اس موضوع پر تفصیل سے بحث کی ہے)

بہرحال یہ ایک اہم مسئلہ ہے، یہ بھی درست نہیں ہے کہ خلع کے سلسلہ میں عورتوں کو مکمل اختیار دے دیا جائے، جس سے خاندانی نظام میں فرق آجائے اور یہ بھی ضروری ہے کہ خواتین کو ظلم وزیادتی سے بچایا جائے اور خواہی نخواہی ان کو ایک ناپسندیدہ رشتہ کی زنجیر میں باندھ کر نہ رکھا جائے

……✦……

خلیفۂ راشد دوم

سیدنا حضرت عمر فاروقؓ

سید حمدان شاہ مسعودی

الارض ارض بنی الاسلام فانتظروا یوما نجیئ کما قد جاء کم عمر۔

حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ کا اسلام قبول کرنا اور پھر پوری یکسوئی کے ساتھ تمام تر توانائیاں اسلامی خدمات میں صرف کر دینا کسی عالم یا غیر عالم کے لیے محتاج بیان نہیں۔ پھر آپ کے دور خلافت میں اسلام کا ترقی کرنا اور اپنے عروج کو پہونچ جانا بھی ایسا باب ہے، جس پر کچھ کہنے کی حاجت نہیں، کیوں کہ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جو روزِ روشن کی طرح عیاں ہے۔ آپ کی شان اس معنی میں بھی ممتاز ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کے بعد اگر کسی کا نام پیش کیا جا سکتا ہے تو وہ صرف آپ ہی کی ذات گرامی ہے۔ صحابۂ کرام میں چند ہی ایسی شخصیات ہیں جن کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام لانے کی دعا فرمائی۔ حضرت عمر انہیں میں سے ہیں جن کے حق میں دعا قبول ہوئی اور ان کی قوتِ عمل عظیم مدبرانہ فکر، شخصی رعب و دبدبہ اور زور بازو سے اسلام کو غیر معمولی تقویت حاصل ہوئی۔

آپ کی فراست، ذہانت اور بصیرت سب کے نزدیک مسلّم ہے اور جس طرح اپ نے اسلام پر عمل کیا ہر خاص و عام اس سے واقف ہے۔

جنگِ قادسیہ میں جب اسلام کو ایک حیرت انگیز فتح نصیب ہوئی تو مال غنیمت میں کچھ ایسی کتابیں ہاتھ لگیں، جن کے بارے میں کہا گیا کہ وہ ہزار سال پرانی اور مفید ہیں۔ جب یہ خبر حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کو پہونچی تو آپ نے حکم دیا کہ ان تمام کتابوں کو دریا کے سپرد کر دیا جائے اور فرمایا اگر ان میں ہدایت ہے تو جان لو ہمارے پاس قرآن اور سنت نبوی موجود ہے۔ اور اگر ان میں گمراہی ہے تو ان سے ہم محفوظ رہیں گے۔ اگر چہ اس واقعے پر مورخین نے قیل وقال کی ہے اور محدثین اس کی سند کو ضعیف کہتے ہیں، لیکن اگر اس واقعہ کو صحیح مان لیا جائے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کا جواب وہی ہوتا جو نقل کیا گیا، کیوں کہ یہی

ان کی شان تھی۔ دین پر مکمل اعتماد۔ کتاب وسنت پر مکمل عمل یہی آپ کی ذات کا امتیاز ہے۔ اور یہی وہ ایمانی جوش واعتماد ہے جو آپ کو دوسروں سے ممتاز کرتا ہے۔

بطور امیر المومنین آپ یہ بھی کر سکتے تھے کہ ان کی کتابوں پر غور وفکر کرتے جیسا کہ ایک موقع پر آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے توراۃ کے چند اوراق پڑھے تھے، لیکن اس کے بعد آپ نے خود کو روک لیا اور ہمیشہ کے لیے قرآن وسنت کو اپنی زندگی کا واحد مرکز ومحور بنالیا:

رعب او در دل دشمن فتاد
چوں نظر کرد سپاہ از جا فتاد

انها لا تكون و عمر حي. فتنے ہرگز نہیں اٹھ سکتے، جب تک عمر دنیا میں موجود ہیں۔ یہ وہ تاریخی جملہ ہے، جو سیف اللہ حضرت خالد ابن ولید رضی اللہ تعالی عنہ نے اس وقت فرمایا جب ایک شخص نے ان کی معزولی پر رنج وغم کا اظہار کیا۔ جی ہاں حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کا وجود امت کے لیے ایک ڈھال تھا۔ ان کے ہوتے فتنے سر اٹھانے کی جسارت نہیں کر سکتے تھے:

عدل عمر کرد عالم راست
زیر عدالتش فلک آرام یافت

یعنی حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کا عدل پوری دنیا کو سیدھا کر گیا۔ ان کی عدالت کے زیر سایہ آسمان نے بھی سکون پایا۔

آپ کو عدل وانصاف، منظم ریاستی نظم ونسق اور شہری ومعاشی معاملات میں مہارت ایسی تھی کہ آپ کے بعد دنیا نے اس کی نظیر نہیں دیکھی۔ تصور اور خیال ہی میں آپ کے دورِ خلافت اور اس کی خوبیوں کا اندازہ لگا سکتے ہیں اور حیرت میں ڈوبے رہتے ہیں۔ آپ ان گنی چنی شخصیات میں سے ہیں جن کی لیاقت، فہم وفراست اور قیادت کے جوہر ابتدائے اسلام ہی سے نمایاں ہو چکے تھے۔

اگرچہ آپ بے شمار خوبیوں کے مالک تھے، مگر جس وقت نے آپ کی خلافت کو سب سے زیادہ با مقصد اور کامیاب بنایا وہ یہ تھا کہ آپ نے کسی بھی معاملے میں کسی کی رعایت نہ کی، خواہ وہ آپ کی اپنی اولاد ہی کیوں نہ ہو، خاص طور پر دین کے معاملے میں آپ بالکل بے لچک عدل پر قائم تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جس صحابی کو آپ نے کسی عہدے پر مقرر فرمایا اس سے پوری پوری جواب دہی بھی لی۔ آپ کا ایک مشہور قول ہے:

اپنے نفس کا محاسبہ کرو قبل اس کے کہ تمہارا محاسبہ کیا جائے۔ اپنے اعمال کو تولو قبل اس کے کہ وہ تولے

جائیں۔اور خود کو اس بڑی پیشی کے لیے تیار کرو۔

یہ قول خود اس بات کا ثبوت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نہ صرف دوسروں سے بلکہ خود سے بھی سخت محاسبہ کرتے تھے، چاہے وہ دنیاوی امور ہوں یا دینی معاملات، آپ کے دل میں آخرت کا ایسا خوف تھا جو اسلام قبول کرنے سے لے کر وفات تک آپ کو مسلسل رلاتا رہا۔یہی بڑی پیشی کا خوف تھا، جو آپ کے گریہ وزاری کا اصل سبب تھا۔حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ کی شخصیت ایک ایسی مثالی شخصیت ہے جس پر مثال قائم کر کے کسی دوسرے کو سمجھانا آج کے دور میں تقریباً ناممکن ہے۔آپ کا کوئی ثانی نہیں۔اگر کوئی انسان حضرت عمر کی زندگی اور ان کے کارناموں کا مطالعہ کرے تو خود بخود اپنے آپ سے شرمندہ ہو جائے۔آپ کی حشمت،قوت،شان،رعب، ہیبت اور عزت ایسا مقام کسی کو خدا نے انبیاء کے بعد عطا نہیں کیا، سوائے حضرت فاروق اعظم کے۔ رسول اکرم محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر فرمایا کہ عمر! تمہارے سے شیطان بھاگتا ہے۔دوسرے موقع پر ارشاد ہوا کہ عمر تمہارے دل وزبان پر اللہ تعالی نے حق کو پیوست کر دیا ہے۔

اب یہ ارشادات رسول صادق ومصدوق کی زبان سے نکلیں اور اثر نہ دکھائیں، یہ ممکن نہیں، چناں چہ ان کا اثر اس قدر ہوا کہ اس عالم سے نکل کر دوسرے عالم میں بھی موثر ہو گیا۔اسی وجہ سے علمائے معبرین نے لکھا ہے کہ اگر کسی نے عمر کو خواب میں دیکھا تو تعبیر یہ ہے کہ شیطانی وساوس سے محفوظ ہو جائے گا۔ بسا اوقات ان کی زیارت کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔خود ایک موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خواب میں حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کو دودھ پیش کیا، جس کی تعبیر خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علم بتلائی۔

بلاشبہ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کی زندگی قرآن وسنت کے عملی نمونے سے عبارت ہے۔آپ کا قول ہے کہ ہم وہ قوم ہیں جسے اللہ نے اسلام کے ذریعے عزت دی۔ اگر ہم کسی اور چیز میں عزت تلاش کریں گے تو اللہ ہمیں ذلیل کر دے گا۔آج بھی دنیا کو عدل فاروقی کی ضرورت ہے اور اہل ایمان کو حضرت عمر کی سیرت سے سبق لینا چاہیے۔فرحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

......✦......

جامعہ کی سرگرمیاں

ادارہ

تعطیل کے بعد جامعہ کی تعلیمی سرگرمیاں

16 جون 2025 کو جامعہ کھل گیا اور تعلیمی سرگرمیاں پھر سے شروع ہوگئیں۔ عید الاضحیٰ کی تعطیل 15/جون تک تھی۔ تمام طلبہ واساتذہ بروقت جامعہ حاضر ہوگئے اور اپنی اپنی ذمہ داریوں میں مشغول ہو گئے۔ جامعہ کی تعلیمی سرگرمیاں اسی طرح شباب پر آگئیں جیسی کہ مطلوب ہیں۔ درس گاہوں میں طلبہ کی پابندی سے حاضری، بعد مغرب کا تکرار، مذاکرہ ومطالعہ، اس پر اساتذہ کی کڑی نگرانی۔ الحمدللہ جامعہ کا تعلیمی نظام حسب سابق رواں دواں ہے۔ مطبخ بھی 16/جون سے جاری ہوگیا اور طلبہ کے طعام وقیام کا نظم بھی مکمل طور پر بحال ہوگیا۔

پہلے ماہانہ امتحان کے نتائج

جامعہ میں طلبہ کی تعلیم کو بہتر کرنے کے لئے ہر ماہ امتحان لیا جاتا ہے۔ سالِ رواں کا پہلا ماہانہ امتحان ذی الحجہ 1446ھ میں ہوا تھا، جس کے نتائج درج ذیل ہیں:

اعدادیہ: سید عمر فاروق سہارنپور 64ج، اوّل پوزیشن

سمیع الرحمن دربھنگہ 66ج، اوّل پوزیشن

محمد رُمان پورنیہ 63ج، دوم پوزیشن

محمد کاشف دربھنگہ 67ج، سوم پوزیشن

سالِ اوّل: محمد سہارنپور 106ق، اوّل پوزیشن

محمد سعد پرتاپ گڑھ 112ج، دوم پوزیشن

محمد آصف جھانسی 107ق، سوم پوزیشن

سالِ دوم: محمد ارشد بھاگلپور 203ق، اوّل پوزیشن
فیضان احمد کبیر نگر 202ق، دوم پوزیشن
محمد احمد شاملی 206ق، سوم پوزیشن
سالِ سوم: عبداللہ شیخ سیتامڑھی 303ق، اوّل پوزیشن
خبیب انور سہارنپور 325ج، دوم پوزیشن
محمد انس بھاگلپور 317ج، سوم پوزیشن
محمد سلمان بٹ جھارکھنڈ 323ج، سوم پوزیشن
واضح رہے کہ ماہانہ امتحان درجہ اعدادیہ اور عربی اول تا عربی سوم کے طلبہ کا ہی لیا جاتا ہے۔

رئیس الجامعہ مدظلہ کی طرف سے اساتذہ کو عشائیہ

تعطیل عید الاضحیٰ کے دوران ہی رئیس الجامعہ حضرت مولانا سید احمد خضر شاہ مسعودی کشمیری مدظلہ نے دیوبند میں مقیم اساتذہ و کارکنان کو عشائیے پر مدعو فرمایا۔ تقریباً تمام ہی اساتذہ موجود رہے اور حضرت رئیس الجامعہ مدظلہ کی بابرکت اور پرتکلف دعوت سے لطف اندوز ہوئے۔

رواق انظر کے مزید تین کمروں کی تعمیر

جامعہ کے جدید دارالاقامہ کی تعمیر کا کام الحمدللہ برق رفتاری کے ساتھ جاری ہے تاکہ طلبہ کے لیے قیام کا مسئلہ جلد از جلد حل کیا جا سکے۔ جدید دارالاقامہ جو فخر المحدثین حضرت مولانا سید محمد انظر شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے اسم گرامی سے منسوب ہے، اس کے کئی کمرے پہلے ہی تکمیل پذیر ہو چکے تھے اور طلبہ کی رہائش کے کام آرہے ہیں، تاہم تحتانی منزل کے چند کمروں کی تعمیر کا کام جاری ہے اور عنقریب یہ بھی طلبہ کے رہائش کے لیے مہیا کر دیے جائیں گے۔

بیت الخلا اور غسل خانے کی تعمیر مکمل

رواق انظر میں تین کمروں کی تعمیر مکمل ہونے کے ساتھ ہی ایک اچھی خبر یہ بھی ہے کہ اس بلڈنگ میں اقامت پذیر طلبہ کی سہولت کے لیے 18 بیت الخلاء اور غسل خانوں کی تعمیر بھی پایۂ تکمیل کو پہنچ چکی ہے۔ ان کے ساتھ ہی یہاں کے رہائش پذیر طلبہ کے لیے غسل خانہ اور وضوخانے کا بھی نظم کیا گیا ہے تاکہ انہیں زیادہ زحمت نہ اٹھانی پڑے۔

جامعہ کی طرف سے طلبہ واساتذہ کو دعوتِ آم

آم کا خوشگوار موسم چل رہا ہے۔ یہ وہ پھل ہے جسے سلطان الاثمار کہا جاتا ہے۔ جامعہ کی روایت رہی ہے کہ اس موسم میں طلبہ واساتذہ کی ضیافت آم کے ذریعے کی جائے۔ جامعہ کے تمام طلبہ واساتذہ کو ''قتلِ آم'' کی دعوت دی گئی، جس سے طلبہ واساتذہ بہت محظوظ ہوئے اور حضرت رئیس الجامعہ مدظلہ کو دعاؤں سے نوازا۔

محکمۂ صحت کی جانب سے جامعہ میں تقریب

حکومت کی طرف سے محکمۂ صحت ملک کے مختلف مقامات پر صحت بیداری مہم چلا رہا ہے، جس میں خاص طور پر وقت ولادت سے پانچ سال تک کے بچوں کی صحت کو ہدف بنایا گیا ہے۔ اس سلسلے کی ایک تقریب جامعہ میں بھی منعقد ہوئی، جس میں تمام اساتذہ نے شرکت کی۔ سرکاری افسران نے اس تقریب کی اہمیت کو بیان کرتے ہوئے کہا کہ صحت بنیادی چیز ہے جس کے بغیر انسان اپنی زندگی خوش گواری کے ساتھ نہیں گزار سکتا۔ بڑی عمر کے لوگ تو صاحب زبان ہونے کی وجہ سے ڈاکٹر کے سامنے اپنی بات کہہ جاتے ہیں اور ڈاکٹر مناسب دوا تجویز کر دیتا ہے، لیکن صفر عمر سے لے کر پانچ سال کے بچے تک کی عقل اس قابل نہیں ہوتی کہ وہ اپنا دکھ درد بیان کر سکیں، اس لیے ان کی صحت پر توجہ دینا بہت ناگزیر ہے اس لیے حکومت جگہ جگہ یہ پروگرام کر رہی ہے تاکہ عوام کو بیدار کیا جا سکے اور بچوں کی صحت کے سلسلے میں متفکر رہیں۔ افسران نے یہ بھی کہا کہ ہم علماء کو اس لیے ساتھ لے رہے ہیں کیونکہ ان کی بات زیادہ پھیلتی اور دور تک پہونچتی ہے۔ آپ سب کی ذمے داری ہے کہ ہماری آواز کو عوام تک پہونچائیں تاکہ وہ اپنے بچوں کی صحت کی نگرانی قاعدے سے کر سکیں۔

مدرسہ مظاہر علوم وقف کے ناظم مولانا محمد سعیدی کا انتقال

مظاہر علوم وقف سہارنپور کے ناظم ومتولی مولانا محمد سعیدی صاحب کا انتقال ہو گیا۔ وہ مفتی سعید اجراڑوی کے پوتے، مفتی مظفر حسین سہارنپوری کے بھتیجے اور مولانا محمد اطہر صاحب کے فرزند تھے۔ مظاہر علوم کی قیادت بہتر انداز میں کر رہے تھے کہ اچانک ان کی وفات نے متعلقین کو رنجور کر دیا۔ جامعہ میں ان کے لیے ایصال ثواب کیا گیا اور مظاہر علوم وقف کے لئے نعم البدل کی دعائیں کی گئیں۔

Monthly MUHADDIS-E-ASR Deoband

RNI UPURD/2000/10663(83220)

Contact Mob:+91-9557051315 jimask98@gmail.com

Printed, Published & Edited By Syed Ahmad Khizar Shah

on Behalf of JIMAS, Behind Eidgah, Deoband. Saharanpur (U.P.)

Printed At Mukhtar Press Samreen Printers, Deoband

July - 2025



جامعہ کی مرکزی عمارت ''انور ہال'' اور مسجد انور شاہ پر مشتمل شاندار منظر



جامعہ میں زیر تعمیر جدید دارالاقامہ کا مجوزہ نقشہ



دارالاقامہ کا بیرونی منظر



مسجد انور شاہ

Noor Graphics 9045909066

Jamia Imam Mohammad Anwar Shah

A/C No.: 50100420638245

IFSC : HDFC0001974

BRANCH: HDFC DEOBAND